کوششوں سے انہی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اور پھر ان کے احکام کی پیروی ان کے سامنے کرتے رہے، اسی طرح وہ کافر جنھوں نے انبیاءؑ کی بات نہ مانی اور مخالفت و دشمنی سے پیش آئے، اُن کے بارے میں یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ ہمیں ان کے ایمان و عمل کا علم نہیں، تفسیر بحر محیط میں ہے کہ امام ابوعبداللہ رازیؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک علم جس کے معنی یقین کامل کے ہیں، اور دوسرے ظن یعنی غلبۂ گمان، اور ظاہر ہے کہ ایک انسان کسی دوسرے انسان کے سامنے ہونے کے باوجود اس کے ایمان و عمل کی گواہی اگر دے سکتا ہے، تو محض ظن، یعنی غلبۂ گمان کے اعتبار سے دے سکتا ہے، ورنہ دلوں کا راز اور حقیقی ایمان جس کا تعلق دل سے ہے وہ تو کسی کو یقینی طور پر بغیر وحیِ الٰہی کے معلوم نہیں ہو سکتا، ہر امت میں منافقین کے گروہ رہے ہیں، جو ظاہر میں ایمان بھی لاتے تھے اور احکام کی پیروی بھی کرتے تھے، مگر ان کے دلوں میں ایمان نہ تھا، اور نہ پیروی کا کوئی جذبہ، وہاں جو کچھ تھا سب ریاکاری تھی، ہاں دنیا کے تمام احکام ظاہر افعال پر دائر ہوتے تھے، جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اور احکامِ خداوندی کا اتباع کرے، اور خلاف اسلام و ایمان اس سے کوئی قول و فعل ثابت نہ ہو، انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں اس کو مؤمن صالح کہنے پر مجبور تھے، خواہ وہ دل میں مؤمن مخلص ہو یا منافق، اسی لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّوَاهِرِ وَاللّٰهُ مُتَوَلِّي السَّرَآئِرِ

یعنی ہم تو ظاہر اعمال پر حکم جاری کرتے ہیں، دلوں کے مخفی رازوں کا متولی خود اللہ جل شانہ ہے۔

اسی ضابطہ کے تحت دنیا میں تو انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائب خلفاء و علماء ظاہری اعمال پر حسنِ ظن کے مطابق کسی کے مومن صالح ہونے کی شہادت دے سکتے تھے لیکن آج وہ عالم دنیا جس کا سارا مدار ظن و گمان پر تھا ختم ہو چکا، یہ محشر کا میدان ہے جہاں بال کی کھال نکالی جائے گی، حقائق کو آشکارا کیا جائے گا، مجرموں کے مقابلہ میں پہلے دوسری لوگوں سے شہادتیں لی جائیں گی، ان سے اگر مجرم مطمئن نہ ہوا اور اپنے جرم کا اعتراف نہ کیا تو خاص قسم کے سرکاری گواہ بروئے کار لائے جائیں گے، ان کے منہ اور زبان پر تو مُہرِ سکوت لگا دی جائے گی، اور مجرم کے ہاتھوں، پاؤں اور کھال سے گواہی لی جائے گی، وہ ہر فعل کی پوری حقیقت بیان کر دیں گے، اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ، اس وقت انسانوں کو معلوم ہوگا کہ میرے تمام

اعضاء رب العالمین کی خفیہ پولیس تھے، ان کے بیان کے بعد انکار کی کوئی صورت باقی نہ رہیگی۔

خلاصہ یہ کہ اس عالم کا کوئی حکم محض ظن و تخمین پر نہیں چلے گا، بلکہ علم و یقین پر ہر چیز کا مدار ہوگا، اور یہ ابھی معلوم ہو چکا کہ کسی شخص کے ایمان و عمل کا حقیقی اور یقینی علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، اس لئے انبیاء علیہم السلام سے جب محشر میں یہ سوال ہوگا کہ مَاذَآ اُجِبْتُمْ؟ تو وہ اس سوال کی حقیقت کو پہچان لیں گے کہ یہ سوال عالم دنیا میں نہیں ہو رہا جس کا جواب ظن کی بنیاد پر دیا جا سکے، بلکہ یہ سوال محشر میں ہو رہا ہے، جہاں یقین کے سوا کوئی بات چلنے والی نہیں، اس لئے ان کا یہ جواب کہ ہمیں ان کے متعلق کوئی علم نہیں، یعنی علم یقینی نہیں بالکل بجا اور درست ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب، انبیاءؑ کی انتہائی شفقت کا ظہور

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امتوں کے قبول و عدم قبول، اطاعت یا نافرمانی کے جو واقعات ان کے سامنے پیش آئے ان سے جس طرح کا علم بظن غالب ان کو حاصل ہوا، اس سوال کے جواب میں وہ تو بیان کر دینا چاہیے تھا، صرف اس علم کے درجۂ یقین کا حوالہ اللہ تعالیٰ پر کیا جا سکتا ہے، مگر یہاں انبیاء علیہم السلام نے اپنی معلومات اور پیش آمدہ واقعات کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا، علمِ الٰہی کے حوالے کر کے خاموش ہو گئے۔

حکمت اس میں یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں اور عام خلق اللہ پر بے انتہا شفیق ہوتے ہیں، ان کے متعلق ایسی کوئی بات اپنی زبان سے کہنا نہیں چاہیں گے جس سے یہ لوگ گرفت میں آجائیں، ہاں کوئی مجبوری ہی ہوتی تو کہنا پڑتا، یہاں علم یقین نہ ہونے کا عذر موجود تھا، اس عذر سے کام لے کر اپنی زبانوں سے اپنی امتوں کے خلاف کچھ کہنے سے بچ سکتے تھے اس طرح اس سے بچ گئے۔

محشر میں پانچ چیزوں کا سوال

خلاصہ یہ کہ اس آیت میں قیامت کے ہولناک منظر کی ایک جھلک سامنے کر دی گئی، کہ موقفِ حساب میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ برگزیدہ و مقبول رسول کھڑے ہیں، اور لرز رہے ہیں تو دوسروں کا کیا حال ہوگا، اس لئے اس روز کی فکر آج سے چاہیے، اور فرصتِ عمر کو اس حساب کی تیاری کے لئے غنیمت سمجھنا چاہیے۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَاَيْنَ اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ بِمَا عَلِمَ

"یعنی کسی آدمی کے قدم محشر میں اس وقت تک آگے نہ سرک سکیں گے جبتک اس سے پانچ سوالوں کا جواب نہ لے لیا جائے، ایک یہ کہ اس نے اپنی عمر کے طویل وکثیر لیل ونہار کس کام میں خرچ کئے، دوسرے یہ کہ خصوصیت سے جوانی کا زمانہ جو قوت عمل کا زمانہ تھا، اس کو کن کاموں میں خرچ کیا، تیسرے یہ کہ ساری عمر میں جو مال اس کو حاصل ہوا وہ کہاں اور کن حلال یا حرام طریقوں سے کمایا تھا، چوتھے یہ کہ مال کو کن جائز یا ناجائز کاموں میں خرچ کیا، پانچویں یہ کہ اپنے علم پر کیا عمل کیا؟"

اللہ تعالیٰ نے غایت رحمت وشفقت سے اس امتحان کا پرچہ سوالات بھی پہلے ہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ امت کو بتلا دیا، اب ان کا کام صرف اتنا رہ گیا کہ ان سوالات کا حل سیکھے، اور محفوظ رکھے، امتحان سے پہلے ہی سوالات بتلا دینے کے بعد بھی کوئی ان میں فیل ہوجائے تو اس سے زیادہ کون محروم ہوسکتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خصوصی سوال وجواب

پہلی آیت میں تو عام انبیاء علیہم السلام کا حال اور ان سے سوال وجواب کا تذکرہ تھا، دوسری آیت میں اور اس کے بعد ختم سورت تک کی نو آیات میں خصوصیت سے بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ اور ان پر اللہ تعالیٰ کے مخصوص انعامات کی کچھ تفصیل کا بیان ہے، اور محشر میں ان سے ایک خصوصی سوال اور اس کے جواب کا ذکر ہے، جو اگلی آیتوں میں آرہا ہے۔

حاصل اس سوال وجواب کا بھی بنی اسرائیل اور تمام مخلوق کو یہ ہولناک منظر دکھلانا ہے کہ اس میدان میں جب روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے سوال ہوتا ہے کہ آپ کی امت نے جو آپ کو خدا کا شریک بنایا، تو وہ ساری عزت وعظمت اور عصمت ونبوت کے باوجود کس قدر گھبرا کر اپنی برأت بارگاہ عزّ وجلال میں پیش فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نہیں بار بار مختلف عنوانات سے اس کی نفی کرتے ہیں کہ میں نے ان کو یہ تعلیم نہ دی تھی، اوّل عرض کیا: سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ، "یعنی پاک ہیں آپ میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے حق نہ تھا"

اپنی برأت کا دوسرا پہلو اس طرح اختیار فرماتے ہیں کہ خود حق تعالیٰ کو اپنا گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ اگر میں ایسا کہتا تو آپ کو ضرور اس کا علم ہوتا، کیونکہ آپ تو میرے دل کے بھید سے بھی واقف ہیں، قول وفعل کا تو کیا کہنا، آپ تو علّام الغیوب ہیں۔

اس ساری تمہید کے بعد اصل سوال کا جواب دیتے ہیں:۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب بارگاہِ ایزدی میں

یعنی یہ کہ میں نے اُن کو وہی تعلیم دی تھی جس کا آپ نے مجھے حکم فرمایا تھا، اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ، یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، پھر اس تعلیم کے بعد جب تک میں ان لوگوں کے اندر رہا تو میں ان کے اقوال وافعال کا گواہ تھا (اُس وقت تک اُن میں کوئی ایسے نہ کہتا تھا) پھر جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو پھر یہ لوگ آپ ہی کی نگرانی میں تھے، آپ ہی ان کے اقوال وافعال سے پورے واقف ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چند مخصوص انعامات کا ذکر

ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جس سوال وجواب کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے پہلے اُن مخصوص انعامات کا بھی ذکر ہے جو خصوصی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مبذول ہوئے، اور بشکل معجزات ان کو عطا فرمائے گئے اس مجموعہ میں ایک طرف انعامات خاصہ کا اور دوسری طرف جواب طلبی کا منظر دکھلا کر بنی اسرائیل کی ان دونوں قوموں کو تنبیہ کی گئی ہے، جن میں سے ایک نے تو ان کی توہین کی اور طرح طرح کی تہمتیں لگائیں اور ستایا، اور دوسری قوم نے ان کو خدا یا خدا کا بیٹا بنا دیا، انعامات کا ذکر کرکے پہلی قوم کو اور سوال وجواب کا ذکر کرکے دوسری قوم کو تنبیہ کی گئی، یہاں جن انعامات کا تفصیلی ذکر کئی آیتوں میں کیا گیا ان میں سے ایک جملہ زیادہ قابلِ غور ہے، جس میں ارشاد ہوا ہے: تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا، یعنی ایک خصوصی معجزہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں سے بچہ ہونے کی حالت میں بھی کلام کرتے ہیں، اور ادھیڑ عمر ہونے کی حالت میں بھی۔

اس میں پہلی بات کا معجزہ اور خصوصی انعام ہونا تو ظاہر ہے، ابتداءِ ولادت میں بچے کلام کرنے کے قابل نہیں ہوا کرتے، کوئی بچہ ماں کی گود یا گہوارہ میں بولنے لگے تو یہ اس کا خصوصی امتیاز ہوگا، ادھیڑ عمر میں بولنا یا کلام کرنا جو مذکور ہے وہ تو کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں، ہر انسان اس عمر میں بولا ہی کرتا ہے، اور کلام کرتا ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خصوصی حال پر غور کریں تو اس کا بھی معجزہ ہونا واضح ہوجائے گا، کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام ادھیڑ عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لئے گئے، اب یہاں کے انسانوں سے ان کا کلام کرنا ادھیڑ عمر کو پہونچنے کے بعد جب ہی ہوسکتا ہے جب وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں، جیسا کہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے، اور قرآن وسنت کی تصریحات سے ثابت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا معجزہ تھا اسی طرح ادھیڑ عمر میں کلام کرنا بھی بوجہ اس کے کہ دنیا میں دوبارہ آنے کے معجزہ ہی ہے۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا
اور جب میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہنے لگے
اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى
ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں ، جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ
ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً
مریم کے بیٹے تیرا رب کرسکتا ہے کہ اتارے ہم پر خوان بھرا ہوا
مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾
آسمان سے ، بولا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے ،
قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ
بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ کھاویں اس میں سے اور مطمئن ہو جاویں ہمارے دل اور ہم جانیں
قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى
کہ تو نے ہم سے سچ کہا اور رہیں ہم اس پر گواہ ، کہا عیسیٰ
ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ
مریم کے بیٹے نے اے اللہ رب ہمارے اتار ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے
تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا
کہ وہ دن عید رہے ہمارے لئے پہلوں اور پچھلوں کے واسطے اور نشانی ہو تیری طرف سے اور روزی دے ہم کو
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا
اور تو ہی ہے بہتر روزی دینے والا ، کہا اللہ نے میں بیشک اتاروں گا وہ خوان
عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا
تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے گا اس کے بعد تو میں اس کو وہ عذاب دوں گا

لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾
جو کسی کو نہ دوں گا جہان میں

ع ۱۵ ۵

خلاصۂ تفسیر

اور جبکہ میں نے حواریین کو (انجیل میں تمہاری زبانی) حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لاؤ انھوں نے (جواب میں تم سے) کہا کہ ہم (خدا اور رسول یعنی آپ پر) ایمان لائے اور آپ شاہد رہئے کہ ہم (خدا کے اور آپ کے) پورے فرمانبردار ہیں، وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب کہ حواریین نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے) عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم (علیک السلام) کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں (یعنی کوئی امر مثل خلاف حکمت ہونے وغیرہ کے اس سے مانع تو نہیں) کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا (پکا پکایا) نازل فرمادیں آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو (مطلب یہ کہ تم تو ایمان دار ہو اس لئے خدا سے ڈرو اور معجزات کی فرمائش سے کہ بے ضرورت ہونے کی وجہ سے خلاف ادب ہے بچو) وہ بولے کہ (ہمارا مقصود بے ضرورت فرمائش کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک مصلحت سے اس کی درخواست کرتے ہیں وہ یہ کہ) ہم (ایک تو) یہ چاہتے ہیں کہ (برکت حاصل کرنے کو) اس میں سے کھائیں اور (دوسرے یہ چاہتے ہیں کہ) ہمارے دلوں کو (ایمان پر) پورا اطمینان ہو جاوے اور (مطلب اطمینان کا یہ ہے کہ) ہمارا یہ یقین اور بڑھ جاوے کہ آپ نے (دعوئ رسالت میں) ہم سے سچ بولا ہے (کیونکہ جس قدر دلائل بڑھتے جاتے ہیں دعوے کا یقین بڑھتا جاتا ہے) اور (تیسرے یہ چاہتے ہیں کہ) ہم (ان لوگوں کے سامنے جنھوں نے یہ معجزہ نہیں دیکھا) گواہی دینے والوں میں سے ہو جاویں (کہ ہم نے ایسا معجزہ دیکھا ہے تاکہ ان کے سامنے اثبات رسالت کر سکیں، اور ان کی ہدایت کا یہ ذریعہ بن جاوے) عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے (جب دیکھا کہ اس درخواست میں ان کی غرض صحیح ہے تو حقعالے سے) دعا کی کہ اے اللہ ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمائیے کہ وہ (مائدہ) ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول (یعنی موجودہ زمانہ میں) ہیں اور جو بعد (کے زمانہ میں آنیوالے) ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جاوے (حاضرین کی خوشی تو کھانے سے اور درخواست قبول ہونے سے اور بعد والوں کی خوشی اپنے سلف پر انعام ہونے سے، اور یہ غایت تو خاص ہے مؤمنین کے ساتھ) اور (میری پیغمبری پر) آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے، (کہ مؤمنین کا یقین بڑھ جاوے اور منکرین حاضرین یا غائبین پر حجت ہو جاوے اور یہ مقصد مؤمنین وغیرہ سب کے لئے عام ہے) اور آپ ہم کو (وہ مائدہ) عطا فرمائیے، اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں (کیونکہ سب کا دینا اپنے نفع کے لئے اور آپ کا

دینا مخلوق کے نفع کے لئے ہے، اس لئے ہم اپنے منافع کو پیش کر کے آپ سے مائدہ کی درخواست کرتے ہیں) حق تعالیٰ نے (جواب میں) ارشاد فرمایا کہ (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) میں وہ کھانا (آسمان سے) تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد (اس کی ناحق شناسی کرے گا (یعنی اس کے حقوق واجبہ عقلاً و نقلاً ادا نہ کرے گا) تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا (اس وقت کے) جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا

معارف و مسائل

مؤمن کو معجزات کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے

(قولہ تعالیٰ) قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے آسمان سے مائدہ کے اُترنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر تم ایمان دار ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان دار بندہ کو لائق نہیں کہ وہ اس قسم کی فرمائشیں کر کے خدا کو آزمائے، اور اس سے خرقِ عادت کی چیزوں کا مطالبہ کرے، بلکہ اس کو چاہئے کہ روزی وغیرہ کو انہی ذرائع سے طلب کرے جو قدرت نے مقرر کر رکھے ہیں۔

جب نعمت غیر معمولی بڑی ہو تو ناشکری کا وبال بھی بڑا ہوتا ہے

(قولہ تعالیٰ) فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ، اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب نعمت غیر معمولی اور نرالی ہوگی تو اس کی شکر گذاری کی تاکید بھی معمولی سے بہت بڑھ کر ہونی چاہئے، اور ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئے گا۔

مائدہ آسمان سے نازل ہوا تھا یا نہیں؟ اس بارے میں مفسرین حضرات کا اختلاف ہے، جمہور نزول کے قائل ہیں، چنانچہ ترمذی کی حدیث میں عمار بن یاسرؓ سے منقول ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا، اس میں روٹی اور گوشت تھا، اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے (یعنی بعض نے) خیانت کی، اور اگلے دن کے لئے اٹھا کر رکھا، پس بندر اور خنزیر کی صورت میں مسخ ہوئے (نعوذ باللہ من غضب اللہ)

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں سے کھاتے بھی تھے جیسا کہ کُلُوْا میں ان کی یہ غرض بھی مذکور ہے، البتہ آگے کے لئے رکھ لینا ممنوع تھا۔

(بیان القرآن)

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ

اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہرالو مجھ کو

وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ

اور میری ماں کو دو معبود سوا اللہ کے کہا تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ

کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا تو جانتا ہے

مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بیشک تو ہی ہے جاننے والا چھپی باتوں کا

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ

میں نے کچھ نہیں کہا ان کو مگر جو تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا

وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا

اور تمہارا اور میں ان سے خبردار تھا جب تک ان میں رہا، پھر جب

تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا اُن کی اور تو ہر چیز سے

شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ

خبردار ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو ان کو معاف

فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

کر دے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا

خلاصۂ تفسیر

اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ (قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کفار نصاریٰ کے سنانے کے لئے) فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم (ان لوگوں میں جن کا عقیدہ تثلیث کا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو شریکِ الوہیت مانتے تھے تو) کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو (یعنی عیسیٰ علیہ السلام

کو) اور میری ماں (حضرت مریمؑ) کو بھی علاوہ خدا کے معبود قرار دیدو تو عیسیٰ علیہ السلام) عرض کریں گے کہ (توبہ توبہ) میں تو (خود اپنے عقیدہ میں) آپ کو (شریک سے) منزہ سمجھتا ہوں (جیسا کہ آپ واقع میں بھی منزہ (پاک) ہیں تو ایسی حالت میں) مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں (نہ باعتبار اپنے عقیدے کے کہ میں موحد یعنی ایک خدا کا قائل ہوں اور نہ باعتبار پیغام الٰہی پہنچانے کے کہ مجھ کو ایسا کوئی پیغام نہیں دیا گیا تھا، اور دلیل میری اس نہ کہنے کی یہ ہے کہ) اگر میں نے (واقع میں) کہا ہوگا تو آپ کو اس کا (یقیناً) علم ہوگا (مگر جب آپ کے علم میں بھی میں نے نہیں کہا تو واقع میں بھی نہیں کہا اور کہنے کی صورت میں آپ کو اس کا علم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ) آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں (تو جو زبان سے کہتا اس کا علم تو کیوں نہ ہوتا) اور میں (تو مثل دیگر مخلوقات کے اتنا عاجز ہوں کہ) آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو (بدون آپکے بتلائے ہوئے) نہیں جانتا (جیسے دیگر مخلوقات کا بھی یہی حال ہے پس) تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں (سو جب اپنا اس قدر عجز اور آپ کا کمال مجھ کو معلوم ہو تو الوہیت میں شرکت کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں، یہاں تک تو اس بات کے کہنے کی نفی ہوئی، آگے اس کی نقیض کے کہنے کا اثبات ہے کہ) میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا، صرف وہی (بات) جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے، اور تمہارا بھی رب ہے، اور (یہاں تک تو عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حالت کے متعلق عرض کیا، آگے ان لوگوں کی حالت کے متعلق عرض کرتے ہیں کیونکہ ءَاَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي میں گو تصریحاً تو سوال اس کا ہے کہ آپ نے ایسا کہا ہے یا نہیں، لیکن اشارۃً اس کا بھی سوال معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدۂ تثلیث کہاں سے پیدا ہوا پس عیسیٰ علیہ السلام اس باب میں یوں عرض کریں گے کہ) میں ان (کی حالت) پر مطلع رہا جب تک ان میں (موجود) رہا (سو اس وقت تک کا حال تو میں نے مشاہدہ کیا ہے اس کے متعلق بیان کر سکتا ہوں) پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا (یعنی اوّل بار میں تو زندہ آسمان کی طرف اور دوسری بار میں وفات کے طور پر) تو (اس وقت صرف) آپ ان (کے احوال) پر مطلع رہے (اس وقت مجھ کو خبر نہیں کہ ان کی گمراہی کا سبب کیا ہوا اور کیونکر ہوا) اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں (یہاں تک تو اپنا اور ان کا معاملہ عرض کیا آگے ان کے اور حق تعالیٰ کے معاملات کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ) اگر آپ ان کو (اس عقیدہ پر) سزا دیں تو (جب بھی آپ مختار ہیں، کیونکہ) یہ آپ کے بندے ہیں

(اور آپ ان کے مالک، اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو ان کے جرائم پر سزا دے) اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو (جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ) آپ زبردست (قدرت والے) ہیں (تو معافی پر بھی قادر ہیں اور) حکمت والے (بھی) ہیں (تو آپ کی معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی، اس لئے اس میں بھی کوئی برائی نہیں ہو سکتی، مطلب یہ ہے کہ دونوں حال میں آپ مختار ہیں میں کچھ دخل نہیں دیتا)

(غرض عیسیٰ علیہ السلام نے معروض اوّل سُبْحٰنَكَ الخ میں اپنی تبرّی ان اہلِ تثلیث کے عقیدے سے اور اس کی تعلیم سے، دوسری عرض وَكُنتُ عَلَيْهِمْ الخ میں اپنی تبرّی ان کے اس عقیدہ کے مفصّل حال جاننے تک سے، اور عرض سوم اِن تُعَذِّبْهُمْ الخ میں اپنی تبرّی ان کے باب میں کوئی تحریک کرنے تک سے ظاہر کر دی، اور یہی مقصود تھا حق تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان مخاطبات سے، پس ان میں ان کفار کو پوری زجر اپنی نادانی پر اور حسرت اپنی ناکامی پر ہوگی)۔

معارف و مسائل

فوائدِ مہمّہ قولہ تعالیٰ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى الخ، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں، لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام سے سوال اس لئے نہیں فرمایا ہے کہ ان کو معلوم نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود ان کی قوم نصاریٰ کی ملامت اور سرزنش ہے کہ جس کو تم اللہ مان رہے ہو وہ خود تمہارے عقیدے کے خلاف اپنی عبدیت کا اقرار کر رہا ہے، اور تمہارے بہتان سے وہ بری ہے (ابن کثیر)

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ اَنتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ حضرت مسیح علیہ السلام کی موت یا رفع الی السماء وغیرہ کی بحث سورۂ آلِ عمران میں آیت اِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ کے تحت گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کیا جائے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي اس آیت سے عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور رفع الی السماء کے انکار پر استدلال صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ گفتگو قیامت کے روز ہوگی، اور اس وقت آسمان سے نزول کے بعد آپ کو موت حقیقی حاصل ہو چکی ہوگی چنانچہ ابن کثیر نے بروایت ابو موسیٰ اشعری ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں بلائی جائیں گی، پھر عیسیٰ علیہ السلام کو بلایا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، اور ان کو نزدیک کر کے فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے اُذْكُرْ نِعْمَتِيَ

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ، یہاں تک کہ فرمائے گا یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، عیسیٰ علیہ السلام انکار کریں گے کہ پروردگار میں نے نہیں کہا ہے، پھر نصاریٰ سے سوال ہوگا تو یہ لوگ کہیں گے کہ ہاں اس نے ہم کو یہی حکم دیا تھا، اس کے بعد ان کو دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا۔

قولہ تعالیٰ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ، یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بیجا سختی نہیں کر سکتے، اس لئے اگر ان کو سزا دیں گے تو عین عدل و حکمت پر مبنی ہوگی، اور فرض کیجئے معاف کردیں تو یہ معافی بھی از راہ عجز نہ ہوگی، کیونکہ آپ عزیز (زبردست اور غالب) ہیں، اس لئے کوئی مجرم آپ کے قبضۂ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا، کہ اس پر آپ قابو نہ پاسکیں، اور چونکہ حکیم (حکمت والے) ہیں، اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یونہی بے موقع چھوڑ دیں، بہر حال جو فیصلہ آپ ان مجرمین کے حق میں کریں گے وہ بالکل حکیمانہ اور قادرانہ ہوگا حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام چونکہ محشر میں ہوگا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت اور استدعاء رحم وغیرہ نہیں ہو سکتی، اس لئے حضرت مسیح نے "عزیز حکیم" کی جگہ "غفور رحیم" وغیرہ صفات کو اختیار نہیں فرمایا، برخلاف اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا، رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا تو جو ان میں سے میرے تابع ہوا وہ میرا آدمی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی موقع ہے کہ تو اپنی رحمت سے آئندہ ان کو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے کر پچھلے گناہوں کو معاف فرما دے (فوائد عثمانی)

ابن کثیرؒ نے بروایت ابو ذرؓ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ پوری رات ایک ہی آیت پڑھتے رہے، اور وہ آیت اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ، ہے، پھر جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ یہی آیت پڑھتے رہے، رکوع اسی سے اور سجدے اسی سے کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، تو فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنے واسطے شفاعت کی درخواست کی تو مجھے عطا فرمائی اور وہ انشاء اللہ تعالیٰ ملنے والی ہے ایسے شخص کے واسطے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے مذکورہ آیت پڑھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ یعنی میرے پاک پروردگار میری امت کی طرف نظر رحمت فرما، اور آپ رونے لگے، اس پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرئیل امین رونے کی وجہ دریافت

فرمائی، تو آپ نے جبرئیل امین کو اپنے مذکورہ قول سے آگاہ کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ سے ۱۸
فرمایا کہ پھر جاؤ اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہہ دو کہ ہم عنقریب تیری امت کے بارے میں تم کو رضامند کر دیں گے، اور تم کو ناخوش نہ کریں گے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ۗ لَهُمْ

فرمایا اللہ نے یہ دن ہے کہ کام آوے گا سچوں کے ان کا سچ ان کے لئے ہیں

جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ۗ رَضِیَ

باغ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں گے انہی میں ہمیشہ اللہ

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۗ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ

راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یہی ہے بڑی کامیابی اللہ ہی کے لئے

ع ۱۶ ۵ ۲ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ۗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾

سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

ربط آیات اوپر دونوں رکوع میں قیامت کے دن اعمال و احوال کا حساب و کتاب اور سوال و جواب کا ذکر ہے، اب آگے اس تفتیش و محاسبہ کا نتیجہ ذکر کیا جاتا ہے۔

خلاصۂ تفسیر

(ان تمام مکالمات مذکورہ کے بعد) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ (قیامت کا دن) وہ دن ہے کہ جو لوگ (دنیا میں باعتبار عقائد و اعمال اور اقوال کے) سچے تھے (کہ وہ سچا ہونا اب ظاہر ہو رہا ہے، جن میں انبیاء جن سے خطاب ہو رہا ہے اور مؤمنین جن کے ایمان کی انبیاء و ملائکہ سب شہادت دیں گے، سب داخل ہیں، اور اس میں اشارہ تصدیق رسل و تصدیق عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی ان مخاطبات میں ہوگیا، غرض یہ سب حضرات جو دنیا میں سچے تھے) ان کا سچا ہونا (آج) ان کے کام آوے گا (اور وہ کام آنا یہ ہو کہ) ان کو (جنت کے) باغ (رہنے کو) ملیں گے جن کے (محلات کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے (اور یہ نعمتیں ان کو کیوں نہ ملیں کیونکہ) اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں (اور جو شخص راضی و مرضی ہو اس کو ایسی ہی نعمتیں ملتی ہیں) یہ (جو کچھ مذکور ہوا) بڑی بھاری کامیابی ہے (کہ دنیا کی کوئی کامیابی اس کے برابر نہیں ہو سکتی)۔

ربطِ آیات اب سورت ختم ہونے کو ہے۔ پوری سورت میں کچھ اصولی اور فروعی احکام بیان ہوئے ہیں، اس لئے آخر میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا مالک ہے، اس لئے اُسے یہ احکام دینے کا حق ہے۔ اور بندوں کو یہ احکام پوری طرح ماننے چاہییں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں، وہ نافرمانی کی صورت میں سزا اور فرماں برداری کی صورت میں انعام دینے پر قادر ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی، اور ان چیزوں کی جو ان (آسمانوں اور زمین) میں موجود ہیں، اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

معارف ومسائل

فائدہ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ، عام طور پر واقع کے مطابق قول کو صدق اور خلاف واقع کو کذب سمجھا جاتا ہے، لیکن قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدق وکذب عام ہے یعنی قول اور عمل دونوں کو شامل ہے، چنانچہ اس حدیث میں خلافِ واقع عمل کو کذب کہا گیا ہے، مَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ (مشکوٰۃ) یعنی اگر کوئی اپنے آپ کو ایسے زیور سے آراستہ کرے جو اس کو نہیں دیا گیا، یعنی کسی ایسی صفت یا عمل کا دعویٰ کرے جو اس میں نہیں ہے تو گویا اس نے جھوٹ کے دو کپڑے پہنے۔

ایک دوسری حدیث میں علانیہ اور تنہائی میں اچھی طرح نماز پڑھنے والے کو سچا بندہ کہا گیا ہے، ارشاد ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا صَلّٰى فِي الْعَلَانِيَةِ فَاَحْسَنَ وَصَلّٰى فِي السِّرِّ فَاَحْسَنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذَا عَبْدِيْ حَقًّا (مشکوٰۃ)	یعنی جو آدمی علانیہ اچھی طرح نماز پڑھتا ہو اور وہ تنہائی میں بھی اسی طرح ادا کرتا ہو تو ایسے آدمی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرا سچ مچ بندہ ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ جنت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بڑی نعمت یہ ہے کہ میں تم سے راضی ہوا اب کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا۔

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ، یعنی یہی بڑی کامیابی ہے، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوگی کہ مالک خالق جل جلالہٗ راضی ہیں۔

لِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا

سورۂ مائدہ تمام شد

سُوْرَةُ الْاَنْعَام

سُوْرَةُ الْاَنْعَام

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ انعام مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو پینسٹھ آیتیں ہیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور بنایا

الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۭ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ①

اندھیرا اور اُجالا پھر بھی یہ کافر اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر کئے دیتے ہیں

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى

وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر مقرر کر دیا ایک وقت اور ایک مدت مقرر ہے

عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي

اللہ کے نزدیک پھر بھی تم شک کرتے ہو اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

زمین میں جانتا ہے تمہارا چھپا اور کھلا اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا

اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر کرتے ہیں اس

مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ

سے تغافل سو بیشک جھٹلایا انہوں نے حق کو جب آن تک پہنچا سو اب

يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤

آئی جاتی ہے ان کے آگے حقیقت اس بات کی جس پر ہنستے تھے

خلاصۂ تفسیر

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا پھر بھی کافر لوگ (عبادت میں دوسروں کو) اپنے رب کی برابر قرار دیتے ہیں وہ (اللہ) ایسا ہی ہے جس نے تم (سب) کو (بواسطہ آدم علیہ السلام کے) مٹی سے بنایا پھر (تمہارے مرنے کا) ایک وقت معین کیا، اور دوسرا وقت معین (دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا) خاص اللہ ہی کے نزدیک (معلوم) ہے، پھر بھی تم (میں سے بعض) شک رکھتے ہو (کہ قیامت کو محال سمجھتے ہو حالانکہ جس نے اوّل حیات بخشی دوبارہ دینا اس کو کیا مشکل ہے) اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی (یعنی اور سب معبود باطل ہیں) وہ تمہارے پوشیدہ حالات کو بھی اور تمہارے ظاہر حالات کو بھی (یکساں) جانتے ہیں اور (بالخصوص) تم جو کچھ ظاہر یا باطنا) عمل کرتے ہو (جس پر جزاء و سزا کا مدار ہے) اس کو جانتے ہیں، اور ان (کفار) کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی، مگر وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں، سو (چونکہ یہ ان کی عادت بنی ہوئی ہے) انھوں نے اس سچی کتاب (قرآن) کو بھی جھوٹا بتلایا جبکہ وہ ان کے پاس پہونچی سو (ان کی یہ تکذیب خالی نہ جائے گی بلکہ) جلد ہی ان کو خبر مل جاوے گی اس چیز کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے (مراد اس سے عذاب ہے جس کی خبر قرآن میں مذکور ہنستے تھے، اور اس کی خبر ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جب عذاب نازل ہوگا تو اس خبر کی تصدیق آنکھوں سے دیکھ لیں گے)

معارف و مسائل

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ سورۂ انعام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ پوری سورت بجز چند آیات کے بیک وقت مکہ میں اس طرح نازل ہوئی ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس کے جلو میں تسبیح پڑھتے ہوئے آئے تھے، ائمہ تفسیر میں سے مجاہدؒ، کلبیؒ، قتادہؒ وغیرہ کا بھی تقریباً یہی قول ہے۔

ابو اسحاق اسفرائنی نے فرمایا کہ یہ سورت توحید کے تمام اصول و قواعد پر مشتمل ہے

اس سورۃ کو کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کیا گیا، جس میں یہ خبر دی گئی ہے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور مراد اس خبر سے لوگوں کو حمد کی تعلیم دینا ہے، اور تعلیم کے اس طرز خاص میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ کسی کی حمد و تعریف کا محتاج نہیں، کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنے ذاتی کمال کے اعتبار سے خود بخود محمود ہے، اس جملہ کے بعد آسمان و زمین اور اندھیرے، اجالے کے پیدا کرنے کا ذکر فرما کر اس کے محمود ہونے کی دلیل بھی بتلا دی کہ جو ذات اس عظیم قدرت و حکمت کی حامل ہے وہی حمد و تعریف کی مستحق ہو سکتی ہے۔

اس آیت میں سَمٰوٰت کو جمع اور اَرْض کو مفرد ذکر فرمایا ہے، اگرچہ دوسری آیت میں آسمان کی طرح زمین کے بھی سات ہونے کا ذکر موجود ہے، شاید اس میں اس طرف اشارہ ہو کہ سات آسمان اپنی ہیئت و صورت اور دوسری صفات کے اعتبار سے باہم بہت امتیاز رکھتے ہیں، اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے کی ہمشکل اور مثل ہیں، اس لئے ان کو مثل ایک عدد کے قرار دیا گیا (مظہری)

اسی طرح ظُلُمٰت کو جمع اور نُوْر کو مفرد ذکر فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ نور تعبیر ہے صحیح راہ اور صراط مستقیم سے اور وہ ایک ہی ہے، اور ظلمت تعبیر ہے غلط راستہ کی، اور وہ ہزاروں ہیں (مظہری و بحر محیط)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آسمانوں اور زمین کے بنانے کو لفظ تخلیق سے تعبیر کیا گیا ہے اور اندھیرے اجالے بنانے کو لفظ جَعَلَ سے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اندھیرا اور اجالا، آسمان و زمین کی طرح مستقل قائم بالذات چیزیں نہیں، بلکہ عوارض اور صفات میں سے ہیں، اور ظلمت کو نور پر مقدم شاید اس لئے ذکر فرمایا گیا کہ اس جہان میں اصل ظلمت ہے، اور نور خاص خاص چیزوں سے وابستہ ہے، جب وہ سامنے ہوتی ہیں روشنی پیدا ہوتی ہے، جب نہیں ہوتیں تو اندھیرا رہتا ہے۔

مقصود اس آیت کا توحید کی حقیقت اور اس کی واضح دلیل کو بیان فرما کر دنیا کی ان تمام قوموں کو تنبیہ کرنا ہے جو یا تو سرے سے توحید کی قائل نہیں، یا قائل ہونے کے باوجود توحید کی حقیقت کو چھوڑ بیٹھی ہیں۔

مجوس دنیا کے دو خالق مانتے ہیں یزدان اور اہرمن، یزدان کو خالق خیر اور اہرمن کو خالق شر قرار دیتے ہیں، اور انہی دونوں کو نور و ظلمت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مشرک تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدا کا شریک بتاتے ہیں، آریہ سماج توحید کے قائل ہونے کے باوجود روح و مادہ کو قدیم اور خدا تعالیٰ کو قدرت و خلقت سے

آزاد قرار دے کر توحید کی حقیقت سے ہٹ گئے، اسی طرح نصاریٰ توحید کے قائل ہونے کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خدا تعالیٰ کا شریک و سہیم بنانے لگے، اور پھر عقیدۂ توحید کو نبھانے کے لئے ان کو ایک تین اور تین ایک کا غیر معقول نظریہ اختیار کرنا پڑا، اور عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھلائی کہ ہر پہاڑ کا ہر چٹان کے نزدیک نوع انسانی کا معبود بن سکتا تھا، غرض انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے مخدوم کائنات اور اشرف المخلوقات بنایا تھا یہ جب راہ سے بھٹکا تو اس نے نہ صرف چاند، سورج، اور ستاروں کو بلکہ آگ، پانی اور درخت، پتھر یہاں تک کہ کیڑوں مکوڑوں کو اپنا مسجود و معبود اور حاجت روا، مشکل کشا بنا لیا۔

قرآن کریم نے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کا خالق اور اندھیرے اجالے کا بنانے والا بتلا کر ان سب غلط خیالات کی تردید کر دی، کہ نور و ظلمت اور آسمان و زمین اور ان میں پیدا ہونے والی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور بنائی ہوئی ہیں، تو پھر ان کو کیسے خدا تعالیٰ کا شریک و سہیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلی آیت میں عالم کبیر یعنی پوری دنیا کی عظیم ترین چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق و محتاج بتلا کر انسان کو صحیح عقیدۂ توحید کا سبق دیا گیا ہے، اس کے بعد دوسری آیات میں انسان کو بتلایا ہے کہ تیرا وجود خود ایک عالم صغیر ہے، اگر اسی کی ابتداء و انتہاء اور بود و باش پر نظر کرے تو عقیدۂ توحید ایک واضح حقیقت بن کر سامنے آجائے، اس میں ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا، یعنی اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا کہ آدم علیہ السلام کو مٹی کے خمیر سے پیدا فرما کر ان میں جان ڈال دی، اور عام انسانوں کی غذا مٹی سے نکلتی ہے، غذا سے نطفہ، اور نطفہ سے انسان کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ..... فرماتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کی ایک خاص مقدار سے پیدا فرمایا جس میں پوری زمین کے اجزاء شامل کئے گئے، یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم، رنگ و روپ اور اخلاق و عادات میں مختلف ہیں، کوئی کالا کوئی گورا، کوئی سرخ، کوئی سخت کوئی نرم، کوئی پاکیزہ خصلت کوئی خبیث الطبع ہوتا ہے (مظہری بروایت ابن عدی بسند حسن)

یہ تو انسان کی ابتداء آفرینش کا ذکر تھا اس کے بعد انتہا کی دو منزلوں کا ذکر ہے، ایک انسان کی شخصی انتہا جس کو موت کہا جاتا ہے، دوسری پوری نوع انسانی اور اس کے کائناتی خوادم سب کے مجموعہ کی انتہا، جس کو قیامت کہا جاتا ہے، انسان کی شخصی انتہا

کے لئے فرمایا، ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا، یعنی انسان کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی بقاء وحیات کے لئے ایک میعاد مقرر کردی، اس میعاد پر پہونچنے کا نام موت ہی جس کو اگرچہ انسان نہیں جانتا مگر اللہ کے فرشتے جانتے ہیں، بلکہ خود انسان بھی اس حیثیت سے اپنی موت کو جانتا ہے کہ ہر وقت ہر جگہ اپنے گرد وپیش میں اولادِ آدم کو مرتے دیکھتا ہے۔

اس کے بعد پورے عالم کی انتہاء یعنی قیامت کا ذکر اس طرح فرمایا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ، یعنی ایک اور میعاد مقرر ہے، جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کی میعاد کا پورا علم نہ کسی فرشتہ کو ہے نہ کسی انسان کو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پہلی آیت میں عالم اکبر یعنی پوری دنیا کا حال یہ بتلایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور بنائی ہوئی ہے، اور دوسری آیت میں اسی طرح عالم اصغر یعنی انسان کا مخلوقِ خداوندی ہونا بیان فرمایا، پھر انسان کو غفلت سے چونکانے کے لئے یہ بتلایا کہ ہر انسان کی ایک خاص عمر ہے جس کے بعد اس کی موت یقینی ہے، اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس کا مشاہدہ ہر انسان کو اپنے گرد وپیش میں ہر وقت ہوتا رہتا ہے، وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ انسان کی شخصی موت سے پورے عالم کی عمومی موت یعنی قیامت پر استدلال ایک فکری اور طبعی امر ہے، اس لئے قیامت کے آنے میں کسی شک کی گنجائش نہیں، اس لئے آخر آیت میں بطور استبعاد کے فرمایا، ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ، یعنی ایسے واضح دلائل کے باوجود تم قیامت کے بارے میں شبہات وشکوک نکالتے ہو۔

تیسری آیت میں پہلی دو آیتوں کے مضمون کا نتیجہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو آسمانوں اور زمین میں لائقِ عبادت واطاعت ہے، اور وہی تمہارے ظاہر وباطن کے ہر حال اور ہر قول وفعل سے پورا واقف ہے۔

چوتھی آیت میں غفلت شعار انسان کی ہٹ دھرمی اور خلافِ حق ضد کی شکایت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ: وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کے واضح دلائل اور کھلی نشانیوں کے باوجود منکر انسانوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی نشانی ان کی ہدایت کے لئے بھیجی جاتی ہے وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، اس میں ذرا غور نہیں کرتے۔

پانچویں آیت میں اسی غفلت شعاری کی مزید تفصیل بعض واقعات کی طرف اشارہ کرکے بیان فرمائی ہے کہ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ، یعنی جب حق اُن کے سامنے آیا تو انھوں نے حق کو جھٹلا دیا، حق سے مراد قرآن بھی ہو سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذاتِ اقدس بھی۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءِ عمر سے آخر تک انہی قبائل عرب کے درمیان رہے، بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپا انہی کی آنکھوں کے سامنے آیا، ان کو یہ بھی پوری طرح واضح تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی انسان سے مطلقاً کوئی تعلیم حاصل نہیں کی، یہاں تک کہ اپنا نام بھی خود نہ لکھتے تھے، پورے عرب میں آپ کا لقب اُمّی مشہور تھا، چالیس سال کی عمر اسی حال میں ان کے درمیان گذری، کہ نہ کبھی شعر وشاعری سے دلچسپی ہوئی نہ کبھی کوئی علم وتعلیم سے مناسبت ہوئی، پھر چالیس سال پورے ہوتے ہی دفعۃً آپ کی زبانِ مبارک سے وہ حقائق ومعارف اور علوم وفنون جاری ہوگئے کہ دنیا کے بڑے بڑے ماہر فلاسفر بھی اُن کے سامنے عاجز نظر آئے، عرب کے تمام فصحاء وبلغاء کو اپنے لائے ہوئے کلام کا مقابلہ کرنے کے لئے چیلنج دیا، یہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دینے کے لئے اپنی جان ومال، عزت وآبرو، اولاد وخاندان سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہر وقت تلے رہتے تھے، ان میں سے کسی کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس چیلنج کو قبول کرکے قرآن کی ایک آیت کی مثال ہی پیش کر دیتے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا اپنا وجود خود حقانیت کی بہت بڑی نشانی تھی، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہزاروں معجزات اور کھلی کھلی نشانیاں ایسی ظاہر ہوئیں جس کا انکار کوئی صحیح الحواس انسان نہیں کر سکتا، مگر ان لوگوں نے ان ساری نشانیوں کو یکسر جھٹلا دیا، اسی لئے اس آیت میں ارشاد فرمایا: فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ۔

آخر آیت میں اُن کے کفر وانکار اور تکذیب کے انجام بد کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا، فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ، یعنی آج تو یہ انجام سے غافل لوگ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کی لائی ہوئی ہدایات اور قیامت وآخرت سب کا مذاق اڑاتے ہیں، لیکن بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے، جب یہ سارے حقائق ان کی آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، قیامت قائم ہوگی، ایمان وعمل کا حساب دینا ہوگا، اور ہر شخص اپنے کئے کی جزاء وسزا پائے گا، مگر اس وقت کا یقین واقرار ان کے کام نہ آئے گا، کیونکہ وہ روزِ عمل نہیں بلکہ روزِ جزاء ہوگا، ابھی غور وفکر کی فرصت خدا تعالیٰ نے دے رکھی ہے، اس کو غنیمت سمجھ کر آیاتِ الٰہیہ پر ایمان لانے ہی میں دنیا وآخرت کی فلاح ہے۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي

کیا دیکھتے نہیں کہ کتنی ہلاک کردیں ہم نے ان سے پہلے امتیں جنکو جما دیا تھا ہم نے

الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا

ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا،

وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ

اور بنادیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی ان کے نیچے پھر ہلاک کیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں پر

وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝٦ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ

اور پیدا کیا ہم نے ان کے بعد اور امتوں کو اور اگر اتاریں ہم تجھ پر

كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

لکھا ہوا کاغذ میں پھر چھو لیویں وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے البتہ کہیں گے کافر

إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝٧ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ

یہ نہیں ہے مگر صریح جادو ، اور کہتے ہیں کیوں نہیں اترا اس پر کوئی

مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ۝٨

فرشتہ اور اگر ہم اتاریں فرشتہ تو طے ہو جاوے قصہ پھر ان کو مہلت بھی نہ ملے ،

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا

اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور ان کو اسی شبہ میں ڈالتے جس میں

يَلْبِسُونَ ۝٩ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ

اب پڑ رہے ہیں ، اور بلاشبہ ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا

بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝١٠ قُلْ

ان سے ہنسی کرنے والوں کو اس چیز نے کہ جس پر ہنسا کرتے تھے ، تو کہہ دے

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کہ سیر کرو ملک میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا

الْمُكَذِّبِينَ ۝١١

جھٹلانے والوں کا

خلاصۂ تفسیر

کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت (جسمانی اور مالی) دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیت اور باغوں کے) نیچے سے نہریں جاری کیں (جس سے زراعت اور پھلوں کی خوب ترقی ہوئی اور وہ خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے) پھر (اس قوت و قدرت اور سامانِ اسباب کے ہوتے ہوئے بھی) ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب (انواعِ عذاب سے) ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا (تو اگر تم پر بھی عذاب نازل کر دیں تو تعجب کیا ہے، اور ان لوگوں کے عناد کی یہ حالت ہے کہ) اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے، پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھ سے چھو بھی لیتے (جیسا کہ ان کا مطالبہ تھا کہ لکھی ہوئی کتاب آسمان سے آجائے اور ہاتھوں سے چھو لینے کا ذکر کر کے نظر بندی کے شبہ کو بھی دور کر دیا) تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے (کیونکہ جب بات ماننے کا ارادہ ہی نہیں تو ہر دلیل میں کوئی نہ کوئی نئی بات نکال لینا کیا مشکل ہے) اور یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) کے پاس کوئی فرشتہ (جس کو ہم دیکھیں اور باتیں سنیں) کیوں نہیں بھیجا گیا (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور اگر ہم کوئی فرشتہ (اسی طرح) بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر (نزولِ فرشتہ کے بعد) ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی (کیونکہ عادتِ الٰہیہ یہ ہے کہ جن لوگوں کا منہ مانگا معجزہ دکھلا دیا گیا اگر پھر بھی انھوں نے ایمان سے انکار کیا تو فوراً بلا مہلت کے عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور جب تک ایسا مطلوبہ معجزہ نہ دیکھیں دنیا میں مہلت ملتی رہتی ہے) اور اگر ہم اس (پیغام پہونچانے والے) کو فرشتہ ہی قرار دیتے تو (اس کو بشکل فرشتہ بھیجیں تو اسکی ہیبت انسانوں سے برداشت نہ ہو، اس لئے ہم اس (فرشتہ) کو آدمی ہی (کی شکل) بنا کر) تو اس پر بھی وہی شبہ کرتے جو اَب کر رہے ہیں (یعنی اس فرشتہ کو بشر سمجھ کر پھر بھی اعتراض کرتے، غرض نزولِ فرشتہ جس کا یہ مطالبہ کرتے ہیں اگر اس کو پورا کر دیا جائے تو ان کو اس سے کوئی فائدہ تو اس لئے نہیں ہو سکتا کہ فرشتہ بشکل فرشتہ دیکھنے پر ان کو قدرت نہیں، اور بشکل انسان بھیجنے سے ان کا شبہ رفع نہیں ہوگا، اور دوسری طرف ان کو نقصان یہ پہونچے گا کہ نہ ماننے پر خود ہی عذاب کے مستحق ہو جائیں گے) اور (آپ ان کے بیہودہ مطالبات سے غم نہ کریں کیونکہ) واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں

ان کے ساتھ بھی (مخالفین کی طرف سے) استہزاء کیا گیا ہے، پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا انکو اس عذاب نے آگھیرا جس کا تمسخر اڑاتے تھے (جس سے معلوم ہوا کہ ان کے اس طرز عمل سے انبیاء کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ یہ خود انہی کے لئے عذاب اور مصیبت ہے اور اگر یہ لوگ امم سابقہ کے عذاب کا انکار کرنے لگیں) تو آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

معارف و مسائل

پچھلی آیتوں میں احکام الٰہیہ اور تعلیمات رسل سے اعراض کرنے یا مخالفت کرنیوالوں پر وعید شدید کا ذکر تھا، ان آیات میں انہی منکرین کا رُخ اپنے گرد و پیش کے حالات اور اگلے زمانہ کے تاریخی واقعات کی طرف پھیر کر ان کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ بلاشبہ تاریخ عالم عبرتوں کی ایک کتاب ہے جس کو اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے، تو وہ ہزاروں وعظوں سے زیادہ مؤثر وعظ ہے، ایک حکیم کا یہ جملہ بہت ہی پسندیدہ ہوا کہ: "دنیا ایک بہترین کتاب ہے اور زمانہ بہترین معلم" یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک بہت بڑا عنصر قصص اور تاریخ ہے، لیکن عام طور پر غفلت شعار انسان نے دنیا کی تاریخ کو بھی ایک تفریحی مشغلہ کی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں دی، بلکہ اس وعظ و حکمت کی بہترین کتاب کو بھی اپنی غفلت و معصیت کا ایک ذریعہ بنا لیا، پچھلے قصوں اور کہانیوں کا یا تو صرف یہ کام رہ گیا کہ نیند سے پہلے ان کو خواب آور دوا کے قائم مقام استعمال کیا جائے، اور یا پھر خالی اوقات میں دل بہلانے اور وقت گذارنے کا مشغلہ بنایا جائے۔

شاید اسی لئے قرآن کریم نے تاریخ عالم کی رُوح کو عبرت و نصیحت کے لئے لیا ہے، مگر عام دنیا کی تاریخی اور افسانوی کتابوں کی طرح نہیں، جن میں قصہ گوئی یا تاریخ نگاری خود ہی ایک مقصد ہوتا ہے، اسی لئے تاریخی واقعات کو مسلسل قصہ کی صورت سے بیان نہیں فرمایا، بلکہ قصہ کا جتنا ٹکڑا جس معاملہ اور جس حال سے متعلق تھا وہاں اتنا ہی ٹکڑا ذکر کر دیا، پھر کسی دوسری جگہ اس قصہ کا دوسرا ٹکڑا وہاں کی مناسبت سے بیان فرمایا، اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ کوئی خبر یا قصہ کبھی خود مقصود نہیں ہوتا، بلکہ ہر خبر سے کوئی انشاء اور ہر واقعہ کے اظہار سے کوئی عملی نتیجہ نکالنا مقصد ہوتا ہے، اس لئے اس واقعہ کا جتنا حصہ اس مقصد کے لئے ضروری ہے اس کو پڑھو، ..... اور آگے بڑھو اور اپنے حالات کا جائزہ لو، اور واقعاتِ ماضیہ سے سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کرو۔

آیات مذکورہ میں سے پہلی آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاواسطہ مخاطب یعنی اہل مکہ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ کیا ان لوگوں نے اپنے سے پہلے گذرنے والی قوموں کا حال نہیں دیکھا جس سے ان کو عبرت و نصیحت ہوتی، اور دیکھنے سے مراد ان کے حال پر غور و فکر کرنا ہے، کیونکہ وہ قومیں اُس وقت تو ان کے سامنے نہیں تھیں جن کو وہ دیکھ سکتے، اس کے بعد اگلی قوموں کی ہلاکت و بربادی کا ذکر فرمایا، كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّن قَرْنٍ، یعنی ہم نے ان سے پہلے کتنے قرنوں کو ہلاک کر دیا۔

لفظ قرن اس جماعت کو بھی کہا جاتا ہے جو ایک وقت اور ایک زمانہ میں مجتمع موجود ہو، اور زمانہ کے ایک طویل حصہ کو بھی جس کے بارے میں دس سال سے لے کر سو سال تک کے مختلف اقوال ہیں، مگر بعض واقعات و روایاتِ حدیث سے تائید اس کی ہوتی ہے کہ لفظ قرن سو سال کے لئے بولا جاتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن بشر مازنی کو فرمایا تھا کہ تم ایک قرن زندہ رہو گے، اور وہ پورے ایک سو سال زندہ رہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کو دعا دی کہ قرن بھر زندہ رہو تو وہ پورے سو سال زندہ رہا، اکثر حضرات علماء نے حدیث خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، کا یہی مطلب قرار دیا ہے، کہ ہر قرن کو سو سال مانا گیا۔

اس آیت میں گذشتہ اقوام عالم کے بارے میں پہلے یہ بتلایا گیا کہ ان کو حق تعالیٰ نے زمین میں وہ وسعت و قوت اور سامانِ معیشت عطا فرمایا تھا، جو بعد کے لوگوں کو نصیب بھی نہیں ہوا، لیکن جب انہی نے رسولوں کی تکذیب اور احکام خداوندی کی مخالفت اختیار کی تو یہ سارا جاہ و جلال اور مال و منال اللہ کے عذاب کے سامنے بیکار ثابت ہوا، اور سب کے سب نیست و نابود ہو کر رہ گئے، تو آج کے مخاطب اہل مکہ جن کو نہ عاد و ثمود جیسی قوت و طاقت حاصل ہے، نہ اہل شام و یمن جیسی خوش حالی ان کو اقوام ماضیہ کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا اور اپنے افعال کا جائزہ لینا چاہئے، کہ مخالفت کر کے ان کا کیا انجام ہوگا۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا: وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ، یعنی اللہ جل شانہٗ کی قدرت کاملہ کا صرف یہی تصرف نہیں تھا کہ بڑی بڑی جاہ و جلال اور حکومت و سلطنت کی مالک اور ڈیل ڈول و قوت و طاقت والی قوموں کو چشم زدن میں ہلاک و برباد کر دیا، بلکہ ان کو ہلاک کرتے ہی اُن کی جگہ دوسری قومیں پیدا کر کے ایسی طرح بسا دیا کہ دیکھنے والوں کو یہ بھی محسوس نہ ہو سکا کہ یہاں سے کوئی انسان کم بھی ہوا ہے۔

اور حق جل و علا شانہٗ کی اس قدرت و حکمت کا مشاہدہ تو ویسے بھی ہر وقت ہر آن میں

ہوتا رہتا ہے کہ روزانہ ہزاروں لاکھوں انسان ہلاک ہوتے رہتے ہیں، مگر کہیں خلا نظر نہیں آتا کہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہاں کے آدمی ہلاک ہوگئے تو اس میں بسنے والے نہ رہے ؎

خدا جانے یہ دنیا حلوہ گاہِ ناز ہے کس کی؟
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

ایک مرتبہ میدانِ عرفات میں جہاں تقریباً دس لاکھ انسانوں کا مجمع تھا اس طرف نظر گئی کہ آج سے تقریباً ستر اسّی سال پہلے اس سارے مجمع میں سے کسی انسان کا وجود نہ تھا اور اس جگہ پر تقریباً اتنے ہی انسان دوسرے موجود تھے جن کا آج نام و نشان نہیں ہے، اس طرح انسانوں کے ہر اجتماع اور لوگوں کے ہر جمگھٹ کو جب اس کے ماضی و مستقبل کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو ایک بہت ہی مؤثر واعظ نظر آتا ہے، فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

دوسری آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی، کہ عبداللہ بن ابی اُمیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک معاندانہ مطالبہ پیش کیا اور کہا کہ میں تو آپ پر اُس وقت تک ایمان نہیں لا سکتا جب تک کہ میں یہ واقعہ نہ دیکھ لوں کہ آپ آسمان میں چڑھ جائیں، اور وہاں سے ہمارے سامنے ایک کتاب لے کر آئیں، جس میں میرا نام لے کر یہ ہو کہ میں آپ کی تصدیق کروں، اور یہ سب کہہ کر یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آپ یہ سب کچھ کر بھی دکھائیں میں تو جب بھی مسلمان ہوتا نظر نہیں آتا۔

اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ پھر یہی صاحب مسلمان ہوئے اور ایسے ہوئے کہ اسلام کے غازی بنکر غزوۂ طائف میں شہید ہوئے۔

قوم کے ایسے بیجا معاندانہ مطالبات اور استہزاء کے رنگ میں مکالمات نے ماں باپ سے زیادہ شفیق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر کیا اثر کیا ہوگا، اس کا صحیح اندازہ ہم نہیں کر سکتے، صرف وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جس کو قوم کی صلاح و فلاح کی فکر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح لگی ہو۔

اسی لئے اس آیت میں آپ کو تسلی دینے کے لئے ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے یہ مطالبات کسی غرض اور مقصد کے لئے نہیں، نہ اُن کو عمل کرنا مقصود ہے، اُن کا حال تو یہ ہے کہ جو کچھ یہ طلب کر رہے ہیں اگر اس سے بھی زیادہ واضح صورتیں آپ کی سچائی کی ان کے سامنے آجائیں، جب بھی قبول نہ کریں، مثلاً ہم اُن کی فرمائش کے مطابق آسمان سے کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب اُتار دیں اور صرف یہی نہیں کہ وہ آنکھوں سے دیکھ لیں جس میں نظر بندی یا جادو وغیرہ کا احتمال رہے، بلکہ وہ اس کتاب کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیں کہ محض خیال نہیں،

حقیقت ہے، مگر چونکہ ان کی ساری باتیں محض عناد کی وجہ سے ہیں تو پھر بھی یہی کہیں گے کہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ، "یعنی یہ تو کھلا ہوا جادو ہے"۔

تیسری آیت کے نزول کا بھی ایک واقعہ ہے کہ یہی عبداللہ بن ابی امیہ اور نضر بن حارث اور نوفل بن خالد ایک مرتبہ جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہم تو آپ پر جب ایمان لائیں گے جب کہ آپ آسمان سے ایک کتاب لے کر آئیں، اور اس کے ساتھ چار فرشتے آئیں جو اس کی گواہی دیں کہ یہ کتاب اللہ ہی کی طرف سے آئی ہے اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس کا جواب حق تعالیٰ نے ایک تو یہ دیا کہ یہ غفلت شعار ایسے مطالبات کر کے اپنی موت و ہلاکت کو دعوت دے رہے ہیں، کیونکہ قانونِ الٰہی یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی پیغمبر سے کسی خاص معجزہ کا مطالبہ کرے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا مانگا ہوا معجزہ دکھلا دیا جائے، تو اگر وہ پھر بھی ماننے اور اسلام لانے میں ذرا تاخیر کریں تو پھر ان کو عذابِ عام کے ذریعہ ہلاک کر دیا جاتا ہے، یہ قوم اہلِ مکہ بھی یہ مطالبہ کسی نیک نیتی سے تو کر نہ رہی تھی، جس سے مان لینے کی توقع کی جاتی، اس لئے فرمایا: لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ، یعنی اگر ہم ان کا مانگا ہوا معجزہ دکھلا دیں کہ فرشتہ بھیج دیں اور یہ قوم ماننے والی تو ہے نہیں، تو اس معجزہ کے دیکھنے کے بعد بھی جب خلاف ورزی کرے گی تو اللہ کا حکم ان کے ہلاک کرنے کے لئے جاری ہو جائے گا، اور اس کے بعد ان کو ذرا بھی مہلت نہ دی جائے گی، اس لئے ان کو سمجھنا چاہئے کہ ان کی مانگی ہوئی کوئی نشانی اگر ظاہر نہیں کی گئی تو اس میں ان کی خیر ہے۔

اسی بات کا ایک دوسرا جواب چوتھی آیت میں دوسرے انداز سے یہ دیا گیا کہ یہ سوال کرنے والے عجیب بیوقوف ہیں کہ فرشتوں کے نازل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، کیونکہ فرشتوں کے نازل ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ فرشتہ اپنی اصلی ہیئت و صورت میں سامنے آجائے تو اس کی ہیبت کو تو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا، بلکہ ہول کھا کر فوراً مر جانے کا خطرہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ بشکلِ انسانی آئے، جیسے جبریلِ امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مرتبہ بشکلِ انسانی آئے ہیں، تو اس صورت میں اس سوال کرنے والے کو جو اعتراض آپ پر ہے وہی اس فرشتہ پر بھی ہوگا کہ یہ اس کو ایک انسان ہی سمجھے گا۔

ان تمام معاندانہ سوالات کے جواب دینے کے بعد پانچویں آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے ارشاد فرمایا کہ یہ استہزاء و تمسخر اور ایذاء رسانی کا معاملہ جو آپ کی قوم آپ کے ساتھ کر رہی ہے کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ سے پہلے بھی سب رسولوں کو ایسے دلدوز اور ہمت شکن واقعات سے سابقہ پڑا ہے، مگر انھوں نے ہمت نہیں ہاری، اور انجام یہ ہوا کہ استہزاء و تمسخر کرنے والی قوم کو اس عذاب نے آپکڑا جس کا تمسخر کیا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا کام تبلیغ احکام ہے، وہ کر کے آپ اپنے قلب کو فارغ فرمالیں اس کا اثر کسی نے کچھ لیا یا نہیں، اس کی نگہداشت آپ کے ذمہ نہیں، اس لئے اس میں مشغول ہو کر آپ قلب کو مغموم نہ کریں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ
پوچھ کہ کس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین میں کہدے اللہ کا ہے، اس نے لکھی ہے اپنے

الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ
ذمہ مہربانی البتہ تم کو اکٹھا کرے گا قیامت کے دن تک کہ اس میں کچھ شک نہیں جو لوگ

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي
نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آرام پکڑتا ہے

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ
رات میں اور دن میں اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا تو کہدے کیا اور کسی کو بناؤں اپنا

وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ
مددگار اللہ کے سوا جو بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا

قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ
کہدے مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں اور تو ہرگز نہ ہو

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾
شرک والا

خلاصۂ تفسیر

آپ (ان مخالفین سے بطور الزام حجت کے) کہئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود

۱۹

ہے یہ سب کس کی ملک ہے (اوّل تو وہ بھی یہی جواب دیں گے جس سے توحید ثابت ہوگی، اور اگر کسی وجہ سے مثل خوف مغلوبیت کے جواب نہ دیں تو) آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے (اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اللہ تعالیٰ نے (اپنے فضل سے توبہ کرنے والوں کے ساتھ) مہربانی فرمانا اپنے ذمہ لازم فرمالیا ہے (اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر تم نے توحید کو قبول نہ کیا تو پھر سزا بھی بھگتنا پڑے گی کیونکہ) تم کو خدا تعالیٰ قیامت کے روز (قبروں سے زندہ اٹھا کر میدان حشر میں) جمع کریں گے (اور قیامت کی حالت یہ ہے کہ) اس کے آنے میں کوئی شک نہیں (مگر) جن لوگوں نے اپنے کو (یعنی اپنی عقل و نظر کو) ضائع (یعنی معطل) کر لیا ہے، سو وہ ایمان نہ لاویں گے (اور ان سے بطور اتمام حجت یہ بھی کہئے کہ) اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں (اس کے اور اس سے پہلی آیت قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ کے مجموعہ کا حاصل یہ نکلا کہ جتنی چیزیں کسی مکان میں ہیں یا کسی زمان میں ہیں سب اللہ کی مملوک ہیں) اور وہی سب سے بڑا سننے والا جاننے والا ہے (پھر اثبات توحید کے بعد ان سے کہئے کہ) کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو (سب کو) کھانا کھلاتے ہیں اور ان کو کوئی نہیں کھلاتا (کیونکہ وہ کھانے پینے کی احتیاج سے بالاتر ہیں، تو کیا ایسے اللہ کے سوا) کسی کو اپنا معبود قرار دوں؟ (آپ اس استفہام انکاری کی تشریح میں خود) فرما دیجئے (کہ میں غیر اللہ کو معبود کیسے قرار دے سکتا ہوں جو عقل و نقل کے خلاف ہے) مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کر لوں (جس میں عقیدۂ توحید بھی آگیا) اور (مجھ کو یہ کہا گیا کہ) تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔

معارف و مسائل

آیت قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ، میں کفار سے سوال کیا گیا ہے کہ آسمان و زمین اور ان کی تمام کائنات کا مالک کون ہے؟ پھر خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ جواب ارشاد فرمایا کہ سب کا مالک اللہ ہے، کفار کے جواب کا انتظار کرنے کے بجائے خود ہی جواب دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جواب کفار مکہ کے نزدیک بھی مسلّم ہے وہ اگرچہ شرک بت پرستی میں مبتلا تھے مگر زمین و آسمان اور کل کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ میں لفظ الیٰ یا تو فی کے معنی میں ہے، اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب اوّلین و آخرین کو قیامت کے دن میں جمع فرما دیں گے، اور یا جمع فی القبور مراد ہے، تو مطلب یہ ہوگا کہ قیامت تک سب انسانوں کو قبروں میں

جمع کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ روزِ قیامت میں سب کو زندہ کریں گے (قرطبی)

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ، صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا تو ایک نوشتہ اپنے وعدہ کا تحریر فرمایا جو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، جس کا مضمون یہ ہے، اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ عَلٰی غَضَبِیْ، یعنی میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی (قرطبی)

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ شروع آیت میں جو اللہ تعالیٰ کی عمومِ رحمت کا ذکر ہے کفار و مشرکین اگر اس سے محروم ہوئے تو وہ خود اپنے عمل سے محروم ہوئے، انھوں نے حصولِ رحمت کا طریقہ یعنی ایمان اختیار نہیں کیا (قرطبی)

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ، یہاں یا تو سکون سے مراد استقرار ہے، یعنی جو چیز جہان کے لیل و نہار میں موجود ہے وہ سب اللہ ہی کی ملک ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد سکون و حرکت کا مجموعہ ہو، یعنی مَا سَكَنَ وَمَا تَحَرَّكَ اور ذکر صرف سکون کا کیا گیا حرکت جو اس کے بالمقابل ہے وہ خود بخود سمجھ میں آسکتی ہے۔

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ

تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی ایک بڑے دن کے عذاب سے جس پر سے

يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

ٹل گیا وہ عذاب اُس دن تو اس پر رحم کر دیا اللہ نے اور یہی ہے بڑی کامیابی،

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ

اور اگر پہنچائے تجھ کو اللہ کچھ سختی تو کوئی اس کو دور کرنیوالا نہیں سوا اس کے اور اگر تجھ کو

يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ

پہنچائے بھلائی تو وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور اسی کا زور ہے اپنے

فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ

بندوں پر اور وہی ہے بڑی حکمت والا سب کی خبر رکھنے والا تو پوچھ سب سے بڑا گواہ

شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ

کون ہے، کہہ دے اللہ گواہ ہے میرے اور تمھارے درمیان اور اترا ہے مجھ پر

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ

یہ قرآن تاکہ تم کو اس سے خبردار کر دوں اور جس کو یہ پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو

اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ

کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں تو کہہ دے میں تو گواہی نہ دوں گا کہہ دے وہی ہے معبود

وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

ایک اور میں بیزار ہوں تمھارے شرک سے، جن کو ہم نے دی ہے کتاب

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

وہ پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا

وہی ایمان نہیں لاتے، اور اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر یا

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

جھٹلاوے اس کی آیتوں کو بلاشک بھلائی نصیب نہیں ہوتی ظالموں کو

خلاصۂ تفسیر

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں (کہ اسلام و ایمان کے حکم کی تعمیل نہ کروں یا شرک میں مبتلا ہو جاؤں) تو میں ایک بڑے دن (یعنی قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں (یہ ظاہر ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں، اسلام و ایمان کے خلاف شرک و معصیت کا صادر ہونا آپ سے ممکن نہیں، مگر یہاں سنانا عام اُمت کو ہے، کہ نبی معصوم بھی اللہ کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں، پھر فرمایا کہ وہ عذاب ایسا ہے کہ) جس شخص سے اس روز کا عذاب ہٹا دیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا اور یہ (عذاب کا ہٹ جانا اور اللہ کی رحمت کا متوجہ ہو جانا) صریح کامیابی ہے (اس میں اس رحمت کا بیان بھی ہو گیا جس کا ذکر اس سے پہلے كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ میں آیا ہے) اور (آپ ان کو یہ بھی سنا دیجئے کہ اے انسان) اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف (دنیا یا آخرت میں) پہونچا دیں تو اس کا دور کرنیوالا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں (وہی چاہیں تو دور کریں یا نہ کریں اور جلد کریں یا دیر میں کریں) اور اگر تجھ کو (اسی طرح) کوئی نفع پہونچا دیں (تو اس کا بھی کوئی ہٹانے والا نہیں، جیسا دوسری جگہ ہے لَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ کیونکہ) وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں (اور مضمون مذکور کی تاکید کے لئے یہ بھی فرما دیجئے کہ) وہی اللہ تعالیٰ (قدرت کے اعتبار سے) اپنے

بندوں پر غالب اور برتر ہیں اور (علم کے اعتبار سے) وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں (پس وہ علم سے سب کا حال جانتے ہیں اور قدرت سے سب کو جمع کر لیں گے اور حکمت سے مناسب جزاء وسزاء دیں گے) آپ (ان منکرین توحید ورسالت سے) کہئے کہ (اچھا یہ تو بتلاؤ کہ) سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے (جس کی گواہی دینے پر سب کا اختلاف رفع ہو جاوے، اس کا جواب ظاہر ہے یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر ہیں پھر) آپ کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان (جس مسئلہ میں اختلاف ہے اس میں وہی) اللہ تعالیٰ گواہ ہے (جس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے) اور (ان کی گواہی یہ ہے کہ) میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے (منجانب اللہ) بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو (ان وعیدوں سے) ڈراؤں (جو توحید ورسالت کے انکار پر اس میں مذکور ہیں کیونکہ قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی مثل بنانے سے ساری دنیا کا عاجز ہونا اللہ تعالیٰ کی تکوینی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ہوگئی، اور مضامین قرآن سے اس کی تشریعی شہادت ہوگئی) کیا تم (اس شہادت کبریٰ کے بعد بھی جو کہ توحید کو شامل ہے) توحید کے بارے میں سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ (استحقاق عبادت میں) کچھ اور معبود بھی (شریک) ہیں (اور اگر وہ ہٹ دھرمی سے اس پر بھی کہہ دیں کہ ہاں ہم تو یہی گواہی دیں گے تو اس وقت ان سے بحث کرنا فضول ہے، بلکہ صرف) آپ (اپنے عقیدہ کو ظاہر کرنے کے لئے) کہہ دیجئے کہ میں تو اس کی گواہی نہیں دیتا اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں (اور آپ کی رسالت کے بارے میں جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے یہود ونصاریٰ سے پوچھ کر دیکھ لیا تو اس معاملہ کی تحقیق یہ ہے کہ) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات وانجیل) دی ہے وہ سب لوگ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (ایسا) پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (لیکن جب شہادت کبریٰ کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کی شہادت پر مدار ہی نہیں تو اس کے نہ ہونے سے بھی کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا، اور ایسی شہادت کبریٰ کے ہوتے ہوئے بھی) جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر لیا ہے وہ ایمان نہ لاویں گے (عقل کو ضائع کرنے سے مطلب یہ ہے کہ اس کو معطل کر دیا عقل سے کام نہیں لیا) اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے، یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتادے، ایسے بے انصافوں کا (حال یہ ہوگا کہ) ان کو (قیامت کے دن) خلاصی نہ ہوگی (بلکہ دائمی عذاب میں گرفتار رہیں گے)

معارف ومسائل

پچھلی آیتوں میں اللہ جل شانہٗ کی قدرت کاملہ کا ذکر کر کے اس پر ایمان لانے اور شرک سے بچنے کا حکم دیا گیا تھا، آیات مذکورہ میں سے پہلی آیت میں اس حکم کی خلاف ورزی کرنے کا عذاب ایک خاص انداز سے بیان فرمایا گیا ہے، کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض میں بھی اپنے رب کے حکم کی مخالفت کروں تو مجھ بھی قیامت کے عذاب کا خوف ہے، یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر گناہ سے معصوم ہیں، آپ سے نافرمانی کا صدور ہو ہی نہیں سکتا، لیکن آپ کی طرف منسوب کر کے امت کو یہ بتلانا ہے کہ اس حکم کی خلاف ورزی پر جب نبی الانبیاءؐ کو معاف نہیں کیا جا سکتا تو اور کسی کی کیا مجال ہے۔

اس کے بعد فرمایا مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ، یعنی روز محشر کا عذاب انتہائی ہولناک اور سخت ہے، جس شخص سے یہ عذاب ٹل گیا تو سمجھئے کہ اس پر اللہ کی بڑی رحمت ہوگئی، وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ، یعنی یہی بڑی اور کھلی کامیابی ہے، یہاں کامیابی سے مراد دخول جنت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عذاب سے نجات اور جنت کا داخلہ لازم و ملزوم ہیں۔

دوسری آیت میں اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر نفع اور نقصان کا مالک درحقیقت صرف اللہ جل شانہٗ ہے، کوئی شخص کسی کو حقیقت کے اعتبار سے نہ ادنیٰ نفع پہنچا سکتا ہے نہ ادنیٰ نقصان، اور ظاہر میں جو کسی کو کسی کے ہاتھ سے نفع یا نقصان پہونچتا نظر آتا ہے وہ صرف ایک ظاہری صورت اور حقیقت کے سامنے ایک نقاب سے زائد کوئی حقیقت نہیں رکھتا ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

یہ عقیدہ بھی اسلام کے ان انقلابی عقائد میں سے ہے جس نے مسلمانوں کو ساری مخلوق سے بے نیاز اور صرف خالق کا نیاز مند بنا کر ان کی ایک ایسی بے مثال البیلی جماعت تیار کر دی جو فقر وفاقہ اور تنگدستی میں بھی سارے جہان پر بھاری ہے، کسی کے سامنے سر جھکانا نہیں جانتی ؎

فقر میں بھی ہیں سر بسر فخر وغرور وناز ہوں ؎ کس کا نیاز مند ہوں سب ہے جو بے نیاز ہوں

قرآن مجید میں جا بجا یہ مضمون مختلف عنوانات کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، ایک آیت میں ارشاد ہے:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ لا فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

"یعنی اللہ تعالیٰ نے جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دی اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو روک دے اس کو کوئی کھولنے والا نہیں"

صحیح احادیث میں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں اکثر یہ کہا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

"یعنی اے اللہ! جو آپ نے دیا اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو آپ نے روکدیا اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی کوشش والے کی کوشش آپ کے مقابلہ میں نفع نہیں دے سکتی"

امام بغویؒ نے اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سواری پر سوار ہوئے، اور مجھے اپنے پیچھے ردیف بنالیا، کچھ دور چلنے کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے لڑکے! میں نے عرض کیا حاضر ہوں، کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم اللہ کو یاد رکھو! اللہ تم کو یاد رکھے گا، تم اللہ کو یاد رکھو گے تو اس کو ہر حال میں اپنے سامنے پاؤ گے، تم امن و عافیت اور خوش عیشی کے وقت اللہ تعالیٰ کو پہچانو تو تمہاری مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ تم کو پہچانے گا، جب تم کو سوال کرنا ہو تو صرف اللہ سے سوال کرو، اور مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ سے مدد مانگو، جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے قلمِ تقدیر اس کو لکھ چکا ہے، اگر ساری مخلوقات مل کر اسکی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نفع پہنچادیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں نہیں رکھا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے، اور اگر وہ سب مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نقصان پہنچادیں جو تمہاری قسمت میں نہیں ہے تو ہرگز اس پر قدرت نہ پائیں گے، اگر تم کرسکتے ہو کہ یقین کے ساتھ صبر پر عمل کرو تو ایسا ضرور کرلو، اگر اس پر قدرت نہیں تو صبر کرو، کیونکہ اپنی خلافِ طبع چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے، اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے، اور مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ فراخی ہے" (یہ حدیث ترمذی اور مسند احمد میں بھی بسند صحیح مذکور ہے)۔

افسوس ہے کہ قرآن کے اس واضح اعلان اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بھر کی تعلیمات کے باوجود یہ اُمت پھر اس معاملہ میں بھٹکنے لگی، سارے خدائی اختیارات مخلوقات کو

بانٹ دیئے، آج ایسے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے جو مصیبت کے وقت بجائے خدا تعالیٰ کے پکارنے کے اور اس سے دعا، مانگنے کے مختلف ناموں کی دُہائی دیتے اور انہی سے مدد مانگتے ہیں، خدا تعالیٰ کی طرف دھیان تک نہیں ہوتا، انبیاء و اولیاء کے توسل سے دعا، مانگنا دوسری بات ہے وہ جائز ہے، اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اس کے شواہد موجود ہیں، لیکن براہِ راست کسی مخلوق کو حاجت روائی کے لئے پکارنا، اس سے اپنی حاجتیں مانگنا، اس قرآنی حکم کے خلاف کھلی بغاوت ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔

آخر آیت میں فرمایا وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ؕ یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنے سب بندوں پر غالب قادر ہے، اور سب اس کے تحتِ قدرت اور محتاج ہیں، یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا انسان خواہ اللہ کا رسول مقرب ہو یا دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ ہو اپنے ہر ارادہ میں کامیاب نہیں ہوتا، اور اس کی ہر مراد پوری نہیں ہوتی۔

وہ حکیم بھی ہے کہ اس کے تمام افعال عین حکمت ہیں، اور ہر چیز کو جاننے والا بھی ہے، اس میں لفظ "قاہر" سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اور لفظ "حکیم" سے اس کے علمِ محیط کا بیان کرکے بتلادیا کہ تمام صفات کمال علم و قدرت میں منحصر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان دونوں میں یکتا ہیں۔

پانچویں آیت کا ایک خاص واقعہ نزول عامۂ مفسرین نے نقل کیا ہے، کہ ایک مرتبہ اہلِ مکہ کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ آپ جو رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر آپ کا گواہ کون ہے؟ کیونکہ ہمیں کوئی آدمی ایسا نہیں ملا جو آپ کی تصدیق کرتا ہو، حالانکہ ہم نے یہود سے، نصاریٰ سے اس کی تحقیق میں پوری کوشش کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ، یعنی آپ کہدیجئے کہ اللہ سے بڑھ کر کس کی شہادت ہوگی، جس کے قبضہ میں کل جہان اور سب کا نفع و ضرر ہے، پھر آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی گواہی سے مراد وہ معجزات اور آیاتِ بینات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ برحق ہونے کے متعلق ظاہر فرمائی، اسی لئے اس کے بعد اہلِ مکہ کو خطاب کرکے یہ ارشاد فرمایا، اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ، یعنی کیا اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کے بعد بھی تم اس کے خلاف اس کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہیں، اگر ایسا ہے تو اپنے انجام کو تم سمجھو، میں تو ایسی گواہی نہیں دے سکتا، قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ، یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ یکتا معبود ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اور ارشاد فرمایا وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ،

یعنی مجھ پر بطور وحی قرآن بھیجا گیا، تاکہ اس کے ذریعہ میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں، اور ان لوگوں کو ڈراؤں جن کو قیامت تک یہ قرآن پہونچے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخری پیغمبر ہیں، اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، قیامت تک اس کی تعلیم اور تلاوت باقی رہے گی، اور لوگوں پر اس کا اتباع لازم رہے گا۔

حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ جس شخص کو قرآن پہونچ گیا وہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لی، اور ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص کو قرآن پہنچ گیا میں اس کا نذیر ہوں۔

اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تاکید فرمائی، بَلِّغُوا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً یعنی میرے احکام و تعلیمات لوگوں تک پہونچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ اور صحت مند رکھے جس نے میرا کوئی مقالہ سنا پھر اس کو یاد رکھا پھر اس کو امت تک پہونچا دیا، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی خود کسی کلام کے مفہوم کو اتنا نہیں سمجھتا جتنا بعد میں آنے والا سمجھتا ہے جس کو یہ کلام اس نے پہونچایا ہے۔

آخری آیت میں ان لوگوں کے اس قول کی تردید ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے سب تحقیق کر لی، کوئی بھی آپ کی سچائی اور نبوت کی گواہی نہیں دیتا، اس کے متعلق ارشاد فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ، یعنی یہود و نصاریٰ تو محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ تورات و انجیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حلیہ شریف آپ کے وطن اصلی پھر وطن ہجرت کا، اور آپ کے عادات و اخلاق اور آپ کے کارناموں کا ایسا تفصیلی ذکر ہے کہ اس کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، بلکہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر نہیں، آپ کے صحابہ کرامؓ کے حالات کا مفصل تذکرہ تک تورات و انجیل میں موجود ہے، اس لئے اس کا کوئی امکان نہیں کہ جو شخص تورات و انجیل کو پڑھتا اور اُن پر ایمان رکھتا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچانے۔

اس جگہ حق تعالیٰ نے تشبیہ کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ جیسے لوگ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ جیسے بچے اپنے ماں باپ کو پہچانتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ماں باپ کی پہچان اپنے بچوں کے لئے سب سے زیادہ تفصیلی اور یقینی ہوتی ہے، بچوں کے بدن کا ہر حصہ ماں باپ

کے سامنے آتا اور رہتا ہے، وہ بچپن سے لے کر جوانی تک اُن کے ہاتھوں اور گود میں پرورش پاتے ہیں، اس لئے وہ جتنا اپنی اولاد کو پہچان سکتے ہیں اتنا اولاد ان کو نہیں پہچان سکتی۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو پہلے یہود میں داخل تھے، پھر مسلمان ہو گئے، حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے کہ تم لوگ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہو جیسے اپنی اولاد کو اس کی کیا وجہ ہے؟ عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کہ ہاں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اوصاف کے ساتھ جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تورات میں نازل فرمائے، اس لئے اس کا علم ہمیں یقینی اور قطعی طور پر ہے، بخلاف اپنی اولاد کے کہ اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری اولاد ہے بھی یا نہیں۔

حضرت زید بن سعنہ جو اہل کتاب میں سے ہیں انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تورات و انجیل کے بیان کردہ اوصاف ہی کے ذریعہ پہچانا تھا، صرف ایک وصف ایسا تھا جس کی ان کو پہلے تصدیق نہیں ہو سکی تھی، امتحان کے بعد تصدیق ہوئی، وہ یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غصہ پر غالب ہوگا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچ کر تجربہ کیا تو یہ صفت بھی پوری طرح آپ میں پائی اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

آخر آیت میں فرمایا کہ یہ اہل کتاب جو پوری طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے کے باوجود مسلمان نہیں ہوتے، یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو برباد کر رہے، اور خسارہ میں پڑ رہے ہیں، اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَیْنَ

اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کیا تھا

شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ

کہاں ہیں شریک تمھارے جن کا تم کو دعویٰ تھا، پھر نہ رہے گا اُن کے

فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴿۲۳﴾

پاس کوئی فریب مگر یہی کہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم نہ تھے شرک کرنے والے

اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

دیکھو تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں ان سے وہ باتیں جو

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
بنایا کرتے تھے اور بعضے ان میں کان لگائے رہتے ہیں تیری طرف اور ہم نے ان کے دلوں پر ڈال رکھے
أَكِنَّةً أَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ
ہیں پردے تاکہ اس کو نہ سمجھیں اور رکھ دیا ان کے کانوں میں بوجھ، اور اگر دیکھ لیں تمام
اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ حَتّٰىٓ إِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ
نشانیاں تو بھی ایمان نہ لاویں ان پر یہاں تک کہ جب آتے ہیں تیرے پاس تجھ سے جھگڑنے کو تو کہتے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ
ہیں وہ کافر نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی اور یہ لوگ
يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُّهْلِكُوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ
روکتے ہیں اس سے اور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو،
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾
اور نہیں سمجھتے

خلاصۂ تفسیر

کیفیت عدمِ فلاحِ مشرکین

اور وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جس روز ہم تمام خلائق کو (میدانِ حشر میں) جمع کریں گے، پھر ہم مشرکین سے (بواسطہ یا بلاواسطہ بطور زجر و توبیخ کے) کہیں گے کہ (بتلاؤ) تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے (کہ تمہاری سفارش نہیں کرتے جس پر تم کو بھروسہ تھا) پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی (ظاہر) نہ ہوگا کہ (اس شرک سے خود بیزاری اور نفرت کا اظہار کریں گے اور بدحواسی کے عالم میں) یوں کہیں گے قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی کہ ہم مشرک نہیں تھے (حق تعالیٰ نے فرمایا تعجب کی نظر سے) ذرا دیکھو تو کس طرح (صریح) جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے (یعنی ان کے بت اور جن کو وہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے) وہ سب غائب ہوگئے (تشنیع بر انکار قرآن) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ اور ان (مشرکین) میں بعضے ایسے ہیں کہ (آپ کے قرآن پڑھنے کے وقت اس کے سننے کے لئے) آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور

(چونکہ یہ سننا طلب حق کیلئے نہیں محض تماشے یا تمسخر کی نیت سے ہوتا ہے اس لئے اس سے ان کو کچھ نفع نہیں ہوتا چنانچہ) ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس (قرآن کے مقصود) کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ (بوجھ) بھر دیا ہے (کہ وہ اس کو ہدایت کے لئے نہیں سنتے، یہ تو ان کے دلوں اور کانوں کی حالت تھی، اب ان کی بصارت اور نگاہ کو دیکھو) اگر وہ لوگ (آپ کی صدقِ نبوت کے) تمام دلائل کو (بھی) دیکھ لیں ان پر بھی ایمان نہ لاویں (ان کے عناد کی نوبت) یہاں تک (پہونچی ہے) کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں (اس طور پر کہ) یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پچھلے لوگوں سے (منقول) چلی آتی ہیں (یعنی مذہب والے پہلے سے ایسی باتیں کرتے چلے آئے ہیں کہ معبود ایک ہی ہے اور یہ کہ انسان خدا کا پیغمبر ہو سکتا ہے، قیامت میں پھر زندہ ہونا ہے، جس کا حاصل عناد اور تکذیب ہوا آگے اس سے ترقی کرکے جدال اور دوسروں کو بھی ہدایت سے روکنے کا کام شروع کیا) اور پھر یہ لوگ اس (قرآن) سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی (اس سے نفرت ظاہر کرنے کے لئے) دور دور رہتے ہیں اور (ان حرکتوں سے) یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور (حماقت اور غایت بغض سے) کچھ خبر نہیں رکھتے (کہ ہم کس کا نقصان کر رہے ہیں، ہمارے اس فعل سے رسول اور قرآن کا تو اس سے کچھ بگڑتا نہیں)۔

معارف و مسائل

پچھلی آیت میں یہ مذکور تھا کہ ظالموں، کافروں کو فلاح نصیب نہ ہوگی، مذکورہ آیات میں اس کی تفصیل و تشریح ہے، پہلی اور دوسری آیت میں اس سب سے بڑے امتحان کا ذکر ہے جو محشر میں رب الارباب کے سامنے ہونے والا ہے، ارشاد فرمایا وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا، یعنی وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں ہم ان سب کو یعنی ان مشرکین کو اور ان کے بنائے ہوئے معبودوں کو جمع کریں گے، ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ أَشْرَكُوْٓا أَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ، یعنی پھر ہم ان سے یہ سوال کریں گے کہ تم جن معبودوں کو ہمارا سہیم و شریک اور اپنا حاجت روا مشکل کشا سمجھا کرتے تھے آج وہ کہاں ہیں؟ تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے!

اس میں لفظ ثُمَّ اختیار فرمایا گیا ہے جو تراخی اور دیر کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محشر میں جمع ہونے کے بعد فوراً ہی سوال جواب نہیں ہوگا، بلکہ

عرصہ دراز تک حیرت و تذبذب کے عالم میں کھڑے رہیں گے، مدت کے بعد حساب کتاب اور سوالات شروع ہوں گے۔

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ تم کو میدانِ حشر میں ایسی طرح جمع کر دیں گے جیسے تیروں کو ترکش میں جمع کر دیا جاتا ہے، اور پچاس ہزار سال اسی طرح رہو گے، اور ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے روز ایک ہزار سال سب اندھیری میں رہیں گے، آپس میں بات چیت بھی نہ کر سکیں گے (یہ روایت حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے ذکر کی ہے)

اس روایت میں جو پچاس ہزار اور ایک ہزار کا فرق ہے یہی فرق قرآن کی دو آیتوں میں بھی مذکور ہے، ایک جگہ ارشاد ہے كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، یعنی اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، اور دوسری جگہ ارشاد ہے إِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ، "یعنی ایک دن تمہارے رب کے پاس ایک ہزار سال کا ہوگا" اور وجہ اس فرق کی یہ ہے کہ یہ روز شدتِ تکلیف و مشقت کے اعتبار سے دراز ہوگا، اور درجات محنت و مشقت کے مختلف ہوں گے، اس لئے بعضوں کے لئے یہ دن پچاس ہزار سال کا اور بعض کے لئے ایک ہزار سال کا محسوس ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس سب سے بڑی امتحان گاہ میں اوّل تو ایک عرصہ دراز ایسا گذرے گا کہ امتحان شروع ہی نہ ہوگا، یہاں تک کہ یہ لوگ تمنا کرنے لگیں گے کہ کسی طرح امتحان اور حساب جلد ہو جائے، انجام کچھ بھی ہو یہ تردد اور تذبذب کی تکلیف تو جائے، اسی طولِ قیام اور عرصہ دراز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لفظ ثُمَّ کے ساتھ فرمایا ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا، اسی طرح دوسری آیت میں مشرکین کی طرف سے جو جواب مذکور ہے وہ بھی لفظ ثُمَّ کے ساتھ آیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ بھی بڑے وقفہ کے بعد بہت غور و فکر اور سوچ بچار کر کے یہ جواب دیں گے کہ وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ، یعنی اللہ رب العالمین کی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم تو مشرک نہ تھے" اس آیت میں ان کے جواب کو لفظ فتنہ سے تعبیر فرمایا ہے، اور یہ لفظ امتحان و آزمائش کے لئے بھی بولا جاتا ہے، اور کسی پر فریفتہ و مفتون ہو جانے کے لئے بھی، اور یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، پہلی صورت میں ان کے جواب امتحان کو امتحان سے تعبیر کر دیا گیا ہے، اور دوسری صورت میں مراد یہ ہوگی کہ یہ لوگ دنیا میں ان بتوں اور خود ساختہ معبودوں پر مفتون تھے، اپنے جان و مال اُن پر قربان کرتے تھے، مگر آج وہ ساری محبت و فریفتگی ختم ہوگئی، اور ان کا جواب بجز اس کے کچھ نہ ہوا کہ ان سے

برأت اور علیحدگی کا دعویٰ کریں۔

ان کے جواب میں ایک عجیب چیز یہ ہے کہ میدانِ قیامت کے ہولناک مناظر اور ربُّ الارباب کی قدرت کاملہ کے عجیب و غریب واقعات دیکھنے کے بعد ان کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو کر جھوٹ بولیں اور وہ بھی اس شد و مد کے ساتھ کہ اسی کی ذات کبریا کی قسم بھی کھا کر کہہ رہے ہیں کہ ہم مشرک نہیں تھے۔

عامۂ مفسرین نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کا یہ جواب کچھ عقل و ہوش اور انجام بینی پر مبنی نہیں، بلکہ فرطِ ہیبت سے بوکھلاہٹ کی بنا پر ہے، اور ایسی حالت میں آدمی جو کچھ منہ میں آئے بولا کرتا ہے، لیکن میدانِ حشر کے عام واقعات و حالات میں غور کرنے کے بعد یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کی پوری کیفیت اور حالت کو سامنے لانے کے لئے ان کو یہ قدرت بھی دیدی کہ وہ آزادانہ جو چاہیں کہیں جس طرح دنیا میں کہا کرتے تھے، تاکہ کفر و شرک کے گناہِ عظیم کے ساتھ ان کا یہ عیب بھی اہلِ محشر کے سامنے آجائے کہ یہ جھوٹ بولنے میں بھی یکتا ہیں کہ اس ہولناک موقع پر بھی جھوٹ بولنے سے نہیں جھجکتے، قرآن مجید کی ایک دوسری آیت فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ سے اسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ جس طرح مسلمانوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں اسی طرح خود رب العالمین کے سامنے بھی دروغ حلفی سے نہ چوکیں گے۔

محشر میں جب یہ قسمیں کھا کر اپنے شرک و کفر سے انکاری ہو جائیں گے تو اس وقت قادرِ مطلق ان کے مُنہوں پر مُہرِ سکوت لگا دیں گے، اور ان کے اعضاء و جوارح، ہاتھ پاؤں کو حکم دیں گے کہ تم شہادت دو کہ یہ لوگ کیا کیا کرتے تھے، اس وقت ثابت ہوگا کہ ہمارے ہاتھ پاؤں آنکھ، کان یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی خفیہ پولیس تھی، وہ تمام اعمال و افعال کو ایک ایک کر کے سامنے رکھ دیں گے، اسی کے متعلق سورۂ یٰسین میں ارشاد ہے:-

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ، اس مشاہدۂ قدرت کے بعد کسی کو یہ جرأت نہ رہے گی کہ پھر کوئی بات چھپائے یا جھوٹ بولے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے: وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا، "یعنی اس روز وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے" اس کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی بتلایا کہ پہلے پہلے تو خوب جھوٹ بولیں گے اور جھوٹی قسمیں کھائیں گے، لیکن جب خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اس وقت کوئی غلط بات کہنے کی جرأت نہ رہے گی۔

غرض حکم الحاکمین کی عدالت میں مجرم کو اپنا بیان دینے کا پورا موقع آزادی کے ساتھ دیا جائے گا، اور جس طرح وہ دنیا میں جھوٹ بولتا تھا اس وقت بھی اس کا یہ اختیار سلب ہوگا کیونکہ قادر مطلق اس کے جھوٹ کا پردہ خود اس کے ہاتھ پاؤں کے حوالہ سے چاک کردیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ موت کے بعد جو پہلا امتحان قبر میں منکر نکیر فرشتوں کے سامنے ہوگا، جسکو داخلہ کا امتحان کہا جاسکتا ہے، اس کے متعلق حدیث میں ہے کہ منکر نکیر جب کافر سے سوال کریں گے مَنْ رَّبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ، یعنی تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے؟ تو کافر کہے گا هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِيْ، یعنی ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا، اس کے خلاف مؤمن رَبِّيَ اللّٰهُ وَدِيْنِيَ الْإِسْلَامُ سے جواب دے گا، معلوم ہوتا ہے کہ اس امتحان میں کسی کو جھوٹ بولنے کی جرأت نہ ہوگی، ورنہ کافر بھی وہی جواب دے سکتا تھا جو مسلمان نے دیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ امتحان لینے والے فرشتے ہوں گے، نہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں، اور نہ ایسی قدرت کہ ہاتھ پاؤں کی گواہی لے لیں، اگر وہاں جھوٹ بولنے کا اختیار انسان کو ہوتا تو فرشتے تو اس کے جواب کے مطابق ہی عمل کرتے اور وہ نظام مختل ہوجاتا، بخلاف میدان حشر کے امتحان کے کہ وہاں سوال وجواب براہ راست عالم وخبیر اور قادر مطلق کے ساتھ ہوگا، وہاں کوئی جھوٹ بولے بھی تو چل نہیں سکے گا۔

تفسیر بحر محیط اور مظہری میں بعض حضرات کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے شرک سے انکار کرنے والے لوگ ہوں گے جو کھلے طور پر کسی مخلوق کو خدا یا خدا کا نائب نہیں کہتے تھے، مگر ان کا عمل یہ تھا کہ خدائی کے سارے اختیارات مخلوق کو بانٹ رکھے تھے، اور انہی سے اپنی حاجتیں مانگتے، انہی کے نام کی نذر ونیاز کرتے، انہی سے روزی، تندرستی، اولاد اور ساری مرادیں مانگا کرتے تھے، یہ لوگ اپنے آپ کو مشرک نہ سمجھتے تھے، اس لئے میدان حشر میں بھی قسم کھا کر یہی کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی رسوائی کو واضح فرمائیں گے۔

دوسرا سوال اس آیت میں یہ ہوتا ہے کہ بعض آیات قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کفار وفجار سے کلام نہ فرمائیں گے، اور اس آیت سے صاف یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ان سے خطاب اور کلام ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ خطاب وکلام بطور اکرام واعزاز یا قبولیت دعاء نہ ہوگا، زجر وتوبیخ کے خطاب کی نفی اس آیت میں مراد نہیں، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ خطاب جو اس آیت میں مذکور ہے بواسطہ ملائکہ ہو، اور جس آیت میں خطاب وکلام الٰہی کی نفی کی گئی ہے

اس میں مراد کلام بلا واسطہ ہے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا، اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ، اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ دیکھئے کہ ان لوگوں نے اپنی جانوں پر کیسا جھوٹ بولا ہے، اور جو کچھ وہ اللہ پر افترا کیا کرتے تھے آج سب غائب ہوگیا، اپنی جانوں پر جھوٹ بولنے سے مراد یہ ہے کہ وبال اس جھوٹ کا انہی کی جانوں پر پڑنے والا ہے، اور افتراء سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں ان کو اللہ کا سہیم وشریک ٹھہرانا ایک افتراء تھا، آج حقیقت سامنے آکر اس افتراء کی قلعی کھل گئی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ افتراء سے مراد جھوٹی قسم ہے جو محشر میں کھائی تھی، پھر ہاتھوں پیروں اور اعضاء کی گواہی سے وہ جھوٹ کھل گیا۔

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ افتراء سے مراد مشرکین کی وہ تاویلیں ہیں جو اپنے معبودات باطلہ کے بارہ میں دنیا میں کیا کرتے تھے، مثلاً مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى، یعنی ہم ان بتوں کو خدا سمجھ کر ان کی عبادت نہیں کرتے، بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے سفارش کرکے قریب کردیں گے، محشر میں یہ افتراء اس طرح کھل گیا کہ ان کی سب سے بڑی مصیبت کے وقت کسی نے نہ ان کی سفارش کی نہ ان کے عذاب میں کچھ کمی کا ذریعہ بنے۔

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ سوال وجواب ہوں گے معبودات باطلہ سب غائب ہوں گے، کوئی سامنے نہ ہوگا، اور قرآن مجید کی ایک آیت میں یہ ارشاد ہے اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ، یعنی قیامت میں حق تعالیٰ کا حکم یہ ہوگا کہ جمع کرو ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو اور ان کو جن کی یہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں معبودات باطلہ بھی حاضر وموجود ہوں گے۔

جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اُن کے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ بحیثیت سہیم وشریک یا سفارش کرنے کے یہ غائب ہوں گے کہ ان لوگوں کو کوئی نفع نہ پہونچا سکیں گے ویسے حاضر موجود ہوں گے، اس طرح دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہ رہا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک وقت میں یہ سب ایک جگہ جمع کردیئے جائیں، پھر متفرق ہوجائیں، اور یہ سوال تفریق کے بعد کیا جائے۔

ان دونوں آیتوں میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ جل شانہٗ

نے مشرکین کو حشر کے ہولناک میدان میں جو یہ اختیار دیا کہ وہ آزادانہ جو چاہیں کہہ سکیں، یہاں تک کہ جھوٹی قسم کھا کر انھوں نے شرک سے انکار کر دیا، اس میں شاید اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جھوٹ بولنے کی عادت ایک ایسی خبیث عادت ہے جو چھوٹتی نہیں یہاں تک کہ یہ لوگ جو دنیا میں مسلمانوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھایا کرتے تھے یہاں بھی باز نہ آئے اور پوری خلق خدا کے سامنے ان کی رسوائی ہوئی، اسی لئے قرآن و حدیث میں جھوٹ بولنے پر شدید وعید اور مذمت فرمائی گئی ہے، قرآن میں جابجا کاذب پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ فجور کا ساتھی ہے اور جھوٹ اور فجور دونوں جہنم میں جائیں گے (ابن حبان فی صحیحہ)

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ عمل کیا ہے جس سے آدمی دوزخ میں جائے، آپ نے فرمایا کہ وہ عمل جھوٹ ہے (مسند احمد) اور شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی دونوں باچھیں چیر دی جاتی ہیں، وہ پھر درست ہو جاتی ہیں، پھر چیر دی جاتی ہیں، اسی طرح یہ عمل اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا، آپ نے جبرئیل امین سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ یہ جھوٹ بولنے والا ہے۔

اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی پورا مؤمن اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک جھوٹ کو بالکل نہ چھوڑ دے یہاں تک کہ مزاح و مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے۔

نیز بیہقی وغیرہ میں بسند صحیح وارد ہے کہ مسلمان کی طبیعت میں اور بری خصلتیں تو ہو سکتی ہیں مگر خیانت اور جھوٹ نہیں ہو سکتا، اور ایک حدیث میں ہے کہ جھوٹ انسان کے رزق کو گھٹا دیتا ہے۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ، عامۂ مفسرین ضحاکؒ، قتادہؒ، محمد بن حنفیہؒ کے نزدیک یہ آیت عام کفار مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو لوگوں کو قرآن سننے اور اس کا اتباع کرنے سے منع کرتے تھے، اور خود بھی اس سے دور رہتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اور دوسرے ان چچاؤں کے متعلق ہے جو لوگوں کو آپ کی ایذا رسانی سے روکتے اور آپ کی حمایت کرتے تھے، مگر نہ قرآن پر ایمان لاتے نہ اس پر عمل کرتے، اس صورت میں يَنْهَوْنَ عَنْهُ کی ضمیر بجائے قرآن کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوگی (مظہری بروایت ابن ابی حاتم عن سعید بن ابی ہلال)

۲۰

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ

اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کئے جاویں گے وہ دوزخ پر پس کہیں گے اے کاش ہم پھیر بھیجے جاویں

بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا

اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو جاویں ہم ایمان والوں میں، کوئی نہیں بلکہ ظاہر ہو گیا جو

يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ

چھپاتے تھے پہلے، اور اگر پھر بھیجے جاویں تو پھر بھی وہی کام کریں جن سے منع کئے گئے تھے اور وہ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ

بیشک جھوٹے ہیں، اور کہتے ہیں ہمارے لئے زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر نہیں

بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ

زندہ ہونا، اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت وہ کھڑے کئے جاویں گے اپنے رب کے سامنے، فرمائیگا کیا

هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا

یہ سچ نہیں، کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے اپنے رب کی فرمائے گا تو چکھو عذاب بدلے میں اپنے

كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ

کفر کے، تباہ ہوئے وہ لوگ جنھوں نے جھوٹ جانا ملنا اللہ کا،

حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي

یہاں تک کہ جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس! کیسی

مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ

کوتاہی ہم نے اس میں کی اور وہ اٹھاویں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر

اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ

خبردار ہو جاؤ کہ برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھاویں گے، اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور

لَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

جی بہلانا اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے کیا تم نہیں سمجھتے

ع ۳ ۱۰ ۹

خلاصۂ تفسیر

اور اگر آپ (ان کو) اس وقت دیکھیں (تو بڑا ہولناک واقعہ نظر آئے) جبکہ یہ (منکرین) دوزخ کے پاس کھڑے کئے جاویں گے (اور قریب ہوگا کہ جہنم میں ڈال دیئے جاویں) تو (ہزاروں تمناؤں کے ساتھ) کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہوتی کہ ہم (دنیا میں) پھر واپس بھیجدیئے جاویں اور اگر ایسا ہوجاوے تو ہم (پھر) اپنے رب کی آیات (مثل قرآن وغیرہ) کو کبھی جھوٹا نہ بتادیں اور ہم (ضرور) ایمان والوں میں سے ہوجاویں (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تمنا اور وعدہ بھی رغبت اور قصدِ اطاعت سے نہیں) بلکہ (اس وقت ایک مصیبت میں پھنس رہے ہیں کہ) جس چیز کو اس سے پہلے (دنیا میں) دبایا (اور مٹایا) کرتے تھے، وہ آج ان کے سامنے آگئی ہے (مراد اس چیز سے آخرت کا عذاب ہے جس کی وعید کفر و معصیت پر دنیا میں ان کو کی جاتی تھی، اور دبانے سے مراد انکار ہے، مطلب یہ ہے کہ اس وقت جان کو بن رہی ہے، اس لئے جان بچانے کو یہ سارے وعدے ہو رہے ہیں، اور دل سے ہرگز وعدہ پورا کرنے کا ارادہ نہیں یہاں تک کہ) اگر (بالفرض) یہ لوگ پھر واپس بھی بھیجدیئے جاویں تب بھی یہ وہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا (یعنی کفر و نافرمانی) اور یقیناً یہ (ان وعدوں میں) بالکل جھوٹے ہیں (یعنی نہ اس وقت ایفائے وعدہ کا قصد نہ دنیا میں جاکر ایفائے وعدہ کا ان سے احتمال ہے) اور یہ (منکرین) کہتے ہیں کہ زندگی اور کہیں نہیں، بس یہی دنیا کی زندگی اور ہم (اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد پھر) زندہ نہ کئے جاویںگے (جیسا کہ انبیاء علیہم السّلام فرماتے ہیں) اور اگر آپ (ان کو) اس وقت دیکھیں (تو بڑا عجیب واقعہ نظر آوے) جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے حساب کے لئے کھڑے کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرماوے گا کہ (کہو) کیا یہ (قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا) امر واقعی نہیں وہ کہیں گے بیشک (واقعی ہے) قسم اپنے رب کی اللہ تعالیٰ فرماوے گا تو اب اپنے کفر کا مزہ چکھو (اس کے بعد دوزخ میں بھیجدیئے جاویں گے) بے شک (سخت) خسارے میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے ملنے کی (یعنی قیامت کے روز زندہ ہوکر خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی کی) تکذیب کی (اور یہ تکذیب تھوڑے دنوں ہوگی) یہاں تک کہ جب وہ معین وقت (یعنی قیامت کا دن مع مقدمات) ان پر دفعۃً (بلا اطلاع) آپہونچے گا (اس وقت سارے دعوے اور تکذیب ختم ہوجاویں گے اور) کہنے لگیں گے ہائے افسوس ہماری کوتاہی (اور غفلت) پر جو اس (قیامت) کے بارے میں

(ہم سے) ہوئی اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے (کفر و نافرمانی کا) بار اپنی کمر پر لادے ہوئے ہوں گے، خوب سُن لو کہ بُری ہوگی وہ چیز جسکو اپنے اوپر لادیں گے، اور دنیوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لعب و لہو کے (بوجہ غیر نافع اور غیر باقی ہونے کے) اور پچھلا گھر پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے، کیا تم سوچتے نہیں۔

معارف و مسائل

اسلام کے تین بنیادی اصول ہیں، توحید، رسالت، عقیدۂ آخرت، باقی سب عقائد انہی تین کے تحت داخل ہیں، اور یہ وہ اصول ہیں جو انسان کو اس کی اپنی حقیقت اور مقصد زندگی سے رُوشناس کرکے اس کی زندگی میں انقلاب پیدا کرتے ہیں اور اس کو ایک سیدھی اور صاف راہ پر کھڑا کردیتے ہیں، ان میں بھی عملی طور پر عقیدۂ آخرت اور اس میں حساب جزاء و سزاء کا عقیدہ ایک ایسا انقلابی عقیدہ ہے جو انسان کے ہر عمل کا رُخ ایک خاص طرف پھیر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے تمام مضامین انہی تین میں دائر رہتے ہیں.......... مذکورہ آیات میں خصوصیت کے ساتھ آخرت کے سوال و جواب، وہاں کے شدید و مدید ثواب و عذاب کا اور دنیا کے ناپائیدار کی حقیقت کا بیان ہے۔

پہلی آیت میں مجرمین مشرکین کا یہ حال بیان فرمایا گیا ہے کہ آخرت میں جب ان کو دوزخ کے کنارے کھڑا کیا جائے گا اور وہ وہم و خیال سے بھی زیادہ ہولناک عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو وہ یہ تمنا ظاہر کریں گے کہ کاش ہمیں پھر دنیا میں بھیجدیا جاتا تو ہم اپنے رب کی بھیجی ہوئی آیات اور احکام کی تکذیب نہ کرتے بلکہ ان پر ایمان لاتے اور مؤمنین میں داخل ہوجاتے۔

دوسری آیت میں علیم و خبیر احکم الحاکمین نے ان کی اس گھبرائی ہوئی تمنا کا پول اس طرح کھولا کہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جیسے ہمیشہ سے جھوٹ کے عادی تھے وہ اپنے اس قول اور تمنا میں بھی جھوٹے ہیں، اور بات اس کے سوا نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ جو حقائق ان کے سامنے لائے گئے تھے اور یہ لوگ ان کو جاننے پہچاننے کے باوجود محض ہٹ دھرمی سے یا دنیا کی طمع خام کی وجہ سے ان حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کیا کرتے تھے آج وہ سب ایک ایک کرکے ان کے سامنے آگئے، اللہ جل شانہٗ کی یکتائی اور قدرت کاملہ کے مظاہر آنکھوں سے دیکھے، انبیاء علیہم السلام کی سچائی کا

مشاہدہ کیا، آخرت میں دوبارہ زندہ ہونے کا مسئلہ جس کا ہمیشہ انکار رہتا تھا اب حقیقت بنکر سامنے آگیا، جزاء و سزا کا مظاہرہ دیکھا، دوزخ کا مشاہدہ کیا تو اب ان کے پاس کوئی حجت نفت کی باقی نہ رہی، اس لئے یوں ہی کہنے لگے کہ کاش ہم پھر دنیا میں واپس ہوجاتے، تو مؤمن ہوکر لوٹتے۔

لیکن اُن کے پیدا کرنے والے علیم و خبیر مالک نے فرمایا کہ اب تو یہ ایسا کہہ رہے ہیں لیکن بالفرض ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے، تو وہ پھر اپنے اس قول و قرار کو بھول جائیں گے اور پھر سب کچھ وہی کریں گے جو پہلے کیا تھا، اور جن حرام چیزوں سے ان کو روکا گیا تھا یہ پھر ان میں مبتلا ہوجائیں گے، اس لئے ان کا یہ کہنا بھی ایک جھوٹ اور فریب ہے۔

ان کے اس قول کو جھوٹ فرمانا مآل کار کے لحاظ سے بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جو آب وعدہ کر رہے ہیں کہ اگر دوبارہ دنیا میں لوٹائے جائیں تو تکذیب نہ کریں گے، مگر ایسا ہوگا نہیں، یہ وہاں جاکر پھر بھی تکذیب ہی کریں گے، اور اس کذب کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت بھی جو کچھ لوگ کہہ رہے ہیں سچے ارادہ سے نہیں بلکہ محض دفع الوقتی کے طور پر عذاب سے بچنے کے لئے کہہ رہے ہیں، دل میں اب بھی ان کا ارادہ نہیں۔

تیسری آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا، اس کا عطف عَادُوْا پر ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ان کو دوبارہ بھی دنیا میں لوٹا دیا جائے تو پھر دنیا میں پہونچ کر یہی کہیں گے کہ ہم تو اس دنیا کی زندگی کے سوا کسی دوسری زندگی کو نہیں مانتے بس یہیں کی زندگی زندگی ہے، دوبارہ ہم کو زندہ نہیں کیا جائے گا۔

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ جب قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کو اور پھر حساب کتاب اور جزاء و سزاء کو آنکھوں سے دیکھ چکیں گے، تو یہ کیسے ممکن ہوگا کہ پھر یہاں آکر اس کا انکار کر دیں۔

جواب یہ ہے کہ انکار کرنے کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ واقع میں ان کو ان واقعات اور حقائق کا یقین نہ رہے، بلکہ جس طرح آج بہت سے کفار و مجرمین اسلامی حقائق کا پورا یقین رکھتے ہوئے محض عناد سے انکار و تکذیب پر جمے رہتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ دنیا میں واپس آنے کے بعد قیامِ قیامت اور دوبارہ زندگی اور آخرت کے تمام حالات کا پورا یقین رکھنے کے باوجود محض شرارت اور عناد سے پھر تکذیب پر اتر آئیں گے جیسا کہ قرآن کریم نے اسی موجودہ زندگی میں بعض کفار کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا	یعنی یہ لوگ ہماری آیات کا انکار کر رہے ہیں مگر ان کے دلوں میں اس کے حق ہونے کا یقین ہے۔

جیسے یہود کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود آپ کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ خالقِ کائنات اپنے علم ازلی سے جانتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو مؤمن صالح ہوجائیں گے بالکل جھوٹ اور فریب ہے، اگر انکے کہنے کے مطابق دوبارہ دنیا کو پیدا کرکے ان کو اس میں چھوڑ دیا جائے تو یہ پھر وہی سب کچھ کریں گے جو پہلی زندگی میں کیا تھا۔

تفسیر مظہری میں بحوالہ طبرانی یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے کہ حساب کتاب کے وقت حق تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو میزانِ عدل کے پاس کھڑا کرکے فرمادیں گے کہ اپنی اولاد کے اعمال کا خود معائنہ کریں اور جس شخص کے اعمالِ صالحہ اس کے گناہوں سے ایک ذرہ بھی بڑھ جائیں تو اس کو آپ جنت میں پہنچا سکتے ہیں، اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں جہنم کے عذاب میں صرف اسی شخص کو داخل کروں گا جس کے بارے میں میں جانتا ہوں کہ وہ اگر دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو پھر بھی وہی حرکتیں کرے گا جو پہلے کر گیا ہے۔

وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ، روایاتِ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز نیک لوگوں کے اعمال ان کی سواری بن جائے گی، اور بدکاروں کے اعمالِ بد بھاری بوجھ کی شکل میں ان کے سروں پر لادے جائیں گے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ کفار و فجار میدانِ حشر میں اپنی جان بچانے کے لئے بوکھلاہٹ کیسے کیسے مختلف باتیں کریں گے، کہیں جھوٹی قسمیں کھا جائیں گے کہیں یہ تمنا کریں گے کہ دوبارہ دنیا میں لوٹا دیئے جائیں، مگر یہ کوئی نہ کہے گا کہ ہم اب ایمان لے آتے اور اب نیک عمل کیا کریں گے، کیونکہ حقیقت بداہت کے ساتھ ان کے سامنے آجائے گی کہ عالمِ آخرت دار العمل نہیں، اور یہ کہ ایمان کی صحت اسی وقت تک ہے جب تک ایمان بالغیب ہو، مشاہدہ کے بعد کی تصدیق تو اپنے مشاہدہ پر عمل ہے، خدا اور رسول کی تصدیق نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے ثمرات یعنی دائمی عیش و راحت دنیا میں امن و اطمینان کی حیاتِ طیبہ اور آخرت میں نعمائے جنت حاصل کرنا صرف دنیا کی زندگی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، نہ اس سے پہلے عالمِ ارواح میں اس کا حصول ممکن ہے اور نہ اس سے گذرنے کے بعد عالمِ آخرت میں اس کی تحصیل ممکن ہے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ دنیا کی زندگی بہت بڑی نعمت اور سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے جس میں یہ عظیم الشان سودا خریدا جاسکتا ہے، اسی لئے اسلام میں

خودکشی حرام اور موت کی دُعا، یا تمنا کرنا ممنوع ہے، اس میں خدا تعالیٰ کی ایک بھاری نعمت کی ناشکری ہے، بعض بزرگوں کے حالات میں ہے کہ وفات کے قریب مولانا جامیؒ کا یہ شعر ان کی زبان پر تھا ؎

با دو روزِ زندگی جامی نشد سیرِ غمت
وہ چہ خوش بودے کہ عمرِ جاودانی داشتیم

اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ مذکورہ آیات میں سے آخری آیت میں اور متعدد آیاتِ قرآنیہ میں جو حیاتِ دنیا کو لہو و لعب فرمایا ہے یا احادیثِ کثیرہ میں دنیا کی جو مذمت آئی ہے اس سے مراد حیاتِ دنیا کے وہ لمحات و ساعات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر سے غفلت میں گذریں، ورنہ جو وقت اللہ تعالیٰ کی طاعت و ذکر میں گذرتا ہے اس کے برابر دنیا کی کوئی نعمت و دولت نہیں ؎

دن وہی دن ہو شب وہی شب ہے
جو تری یاد میں گذر جائے

ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے:

اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَّا فِیْهَا اِلَّا ذِکْرَ اللّٰهِ اَوْ عَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ،

"یعنی دنیا بھی ملعون ہے، اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے، مگر اللہ کی یاد اور عالم یا طالب علم"

اور اگر غور سے دیکھا جائے تو عالم اور طالب علم بھی ذکر اللہ ہی میں داخل ہو جاتے ہیں، کیونکہ علم سے وہی علم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب بنے، تو ایسے علم کا سیکھنا اور سکھانا دونوں ہی ذکر اللہ میں داخل ہیں، بلکہ امام جزریؒ کی تصریح کے مطابق دنیا کا ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت یعنی احکامِ شریعت کی مطابقت میں کیا جائے وہ سب ذکر اللہ ہی میں داخل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کے سب ضروری کام، کسبِ معاش کے تمام جائز طریقے اور دوسری ضروریات جو حدودِ شریعت سے باہر نہ ہوں وہ سب ذکر اللہ میں داخل ہیں، اہل و عیال، اقرباء، احباب، پڑوسی اور مہمان وغیرہ کے حقوق کی ادائیگی کو احادیثِ صحیحہ میں صدقہ و عبادت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اس دنیا میں حق تعالیٰ کی اطاعت اور ذکر اللہ کے سوا کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں، استاذ محترم حضرت مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہٗ نے خوب فرمایا ہے ؎

بگذر از یادِ گل و گلبن کہ ہیچم یاد نیست ؎ در زمینِ آسماں جز ذکرِ حق آباد نیست

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس دنیا میں ایسی چیز جو ہر انسان کو حاصل ہے اور سب سے زیادہ قیمتی اور محبوب ہے، وہ اس کی زندگی ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہر انسان کی زندگی کا ایک محدود وقت ہے، اور یہ بھی معلوم ہو کہ اپنی زندگی کی صحیح حد کسی کو معلوم نہیں کہ ستر سال ہوگی یا ستر گھنٹے، یا ایک سانس کی بھی مہلت نہ ملے گی۔

دوسری طرف یہ معلوم ہوگیا کہ رضائے الٰہی کی متاعِ گرانمایہ جو دنیا و آخرت کی راحت و عیش اور ابدی آرام کی ضامن ہے وہ صرف اسی محدود حیاتِ دنیا میں حاصل کی جاسکتی ہے، اب ہر انسان جسکو اللہ تعالیٰ نے عقل و ہوش دیا ہے خود فیصلہ کر سکتا ہو کہ زندگی کے ان محدود لمحات و ساعات کو کس کام میں خرچ کرنا چاہئے، بلاشبہ عقل کا تقاضا یہی ہوگا کہ ان قیمتی اوقات کو زیادہ سے زیادہ اس کام میں خرچ کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل ہو، باقی کام جو اس زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں ان کو بقدرِ ضرورت ہی اختیار کیا جائے۔

ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ

"یعنی عقلمند ہوشیار وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے ..... اور بقدرِ کفایت معاش پر راضی ہو جائے، اور مابعد الموت کیلئے سارا عمل وقف کردے"

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ

ہم کو معلوم ہے کہ تجھ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے

وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ

لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، اور جھٹلائے گئے ہیں

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤی اَتٰىهُمْ

بہت سے رسول تجھ سے پہلے پس صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر یہاں تک کہ پہنچی ان کو

نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ

مدد ہماری اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں اور تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ

نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ

حالات رسولوں کے اور اگر تجھ پر گراں ہے ان کا منہ پھیرنا تو اگر

اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ

تجھ سے ہو سکے کہ ڈھونڈھ نکالے کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں

فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰى

پھر لاوے ان کے پاس ایک معجزہ اور اگر اللہ چاہتا تو جمع کر دیتا سب کو سیدھی راہ پر

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ

سو تو مت ہو نادانوں میں ماننے وہی ہیں جو

يَسْمَعُوْنَ ړ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ ١٢١

سنتے ہیں ، اور مردوں کو زندہ کرے گا اللہ پھر اس کی طرف لائے جاویں گے ،

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ

اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے کہہ دے کہ اللہ کو قدرت ہے اس بات پر

يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ

کہ اتارے نشانی لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے ، اور نہیں ہے

دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ

کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہو اپنے دو بازوؤں سے مگر ہر ایک امت ہے

اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ

تمہاری طرح ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز پھر سب اپنے رب کے سامنے

يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي

جمع ہوں گے ، اور جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں

الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي

اندھیروں میں جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے اور جس کو چاہے ڈال دے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ

سیدھی راہ پر ، تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا

اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ

یا آوے تم پر قیامت کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے بتاؤ اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاۗءَ

سچے ہو ، بلکہ اسی کو پکارتے ہو پھر دور کر دیتا ہے اس مصیبت کو جس کے لئے اس کو پکارتے ہو اگر

ع ١١ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

چاہتا ہے اور تم بھول جاتے ہو جن کو شریک کرتے تھے

خلاصۂ تفسیر

کفار کے بیہودہ کلمات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی

ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان (کفار) کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو آپ غم میں نہ پڑیے بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے کیونکہ یہ لوگ (براہِ راست) آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا (قصداً) انکار کرتے ہیں، (گو اس سے آپ کی تکذیب بھی لازم آتی ہے مگر ان کا اصل مقصود آیات اللہ کی تکذیب ہے، جیسا کہ ان میں بعض مثلاً ابو جہل اس کے اقراری بھی ہیں، اور جب ان کا اصل مقصد آیات اللہ کی تکذیب ہے تو ان کا یہ معاملہ خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوا، وہ خود ہی ان کو سمجھ لیں گے، آپ کیوں غم میں مبتلا ہوں) اور (کفار کی یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں، بلکہ) بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے، جس پر انھوں نے صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو (طرح طرح کی) ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچ گئی (جس سے مخالف مغلوب ہو گئے، اس وقت تک وہ صبر ہی کرتے رہے) اور (اسی طرح صبر کرنے کے بعد آپ کو بھی امداد آپہنچے گی، کیونکہ) اللہ تعالیٰ کی باتوں (یعنی وعدوں) کو کوئی بدلنے والا نہیں (اور امداد کا وعدہ آپ سے ہو چکا ہے، جیسا فرمایا لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ) اور آپ کے پاس پیغمبروں کے بعض قصص (قرآن میں) پہونچ چکے ہیں (جن سے اللہ کی امداد اور مخالفین کا بالآخر مغلوب ہونا ثابت ہو جاتا ہے، اور حاصل اس تسلی کا یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ابتدائی چند روزہ صبر کے بعد وہ اپنے رسولوں کو امداد بھیج دیتے ہیں، جس سے دنیا میں بھی حق کا غلبہ ہوتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے، اور آخرت میں بھی ان کو عزت و فلاح ملتی ہے، آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونے والا ہے، آپ مغموم نہ ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ تمام انسانوں کے ساتھ شفقت و محبت انتہائی تھی، آپ باوجود اس تسلی کے یہ چاہتے تھے کہ یہ مشرکین اگر موجودہ معجزات اور نبوت کے دلائل پر مطمئن ہو کر ایمان نہیں لاتے تو جس قسم کے معجزات کا یہ مطالبہ کرتے ہیں وہی معجزات واقع ہو جائیں، شاید ایمان لے آویں اور اس اعتبار سے ان کا کفر دیکھ کر صبر نہ آتا تھا، اس لئے اگلی آیات میں

اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ بمقتضائے حکمت الٰہیہ ان کے فرمائشی معجزات واقع نہ کئے جاویں گے، آپ تا چندے صبر کریں ان کے وقوع کی فکر میں نہ پڑیں، چنانچہ فرمایا وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ (اور اگر آپ کو منکرین) کا اعراض (وانکار) گراں گزرتا ہے (اور اس لئے جی چاہتا ہے کہ ان کے فرمائشی معجزات ظاہر ہو جاویں) تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں (جانے کو) کوئی سرنگ یا آسمان میں (جانے کو) کوئی سیڑھی ڈھونڈھ لو (پھر اس کے ذریعہ زمین یا آسمان میں جاکر وہاں سے) معجزہ (فرمائشی معجزوں میں سے) لے آؤ تو (بہتر ہے آپ ایسا) کر لو (یعنی ہم تو ان کی یہ فرمائشیں بوجہ عدم ضرورت اور بمقتضائے حکمت کے پوری نہیں کرتے، اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ مسلمان ہی ہو جاویں تو آپ خود اس کا انتظام کیجئے) اور اللہ کو (تکوینا) منظور ہوتا تو ان سب کو راہ (راست) پر جمع کر دیتا (لیکن چونکہ یہ خود ہی اپنا بھلا نہیں چاہتے اس لئے تکوینا اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہوا پھر آپ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے) سو آپ (اس فکر کو چھوڑ دیجئے اور) نادانوں میں سے نہ ہو جیئے (امر حق و ہدایت کو تو) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (حق بات کو طلب حق کے ارادہ سے) سنتے ہیں اور (اگر اس انکار و اعراض کی پوری سزا ان کو دنیا میں نہ ملی تو کیا ہوا آخر ایک دن) مُردوں کو اللہ تعالیٰ قبروں سے زندہ کر کے اٹھا دیں گے، پھر وہ سب اللہ ہی کی طرف (حساب کے لئے) لائے جاویں گے اور یہ (منکر) لوگ (براہ عناد) کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان پر (ہمارے فرمائشی معجزات میں سے) کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بے شک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ (ایسا ہی) معجزہ نازل فرما دیں، لیکن ان میں اکثر (اس کے انجام سے) بے خبر ہیں، (اس لئے ایسی درخواست کرتے ہیں اور وہ انجام یہ ہے کہ اگر پھر بھی ایمان نہ لاویں گے تو سب فوراً ہلاک کر دیئے جاویں گے لقولہ تعالیٰ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ، حاصل یہ ہے کہ ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر کرنے کی ضرورت تو اس لئے نہیں کہ پہلے معجزات کافی ہیں، لقولہ تعالیٰ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ الخ اور ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی معجزہ پر بھی ایمان نہ لاویں گے جس سے فوری عذاب کے مستحق ہو جاویں گے اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر نہ کیا جائے، اور آیت کے آخر میں وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ فرمانا محبت و شفقت کے طور پر ہے، لفظ جہالت عربی زبان میں اس معنی عام کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، بخلاف اردو زبان کے، اس لئے اس کا ترجمہ لفظ جہل یا جہالت سے کرنا ادب کے خلاف ہے، اگلی آیات میں تنبیہ کے لئے قیامت اور تمام خلائق کے حشر کا ذکر ہے) اور جتنی قسم کے جاندار زمین پر (خواہ خشکی میں یا پانی میں) چلنے والے ہیں اور جتنی قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی

قسم ایسی نہیں جو کہ (قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھنے میں) تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں اور گو یہ سب اپنی کثرت کی وجہ سے عرفاً بے انتہا ہوں، لیکن ہمارے حساب میں سب منضبط ہیں کیونکہ ہم نے (اپنے) دفتر (لوح محفوظ) میں کوئی چیز (جو قیامت تک ہونے والی ہے بے لکھے) نہیں چھوڑی (اگرچہ اللہ تعالیٰ کو لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، ان کا علم ازلی اور محیط ہی کافی ہے لیکن لکھنے کے ذریعے منضبط کر لینا اہتمام عامہ کے قریب تر ہے) پھر (اس کے بعد اپنے وقت معین پر) سب (انسان اور جانور اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جاویں گے (آگے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا مضمون ہے) اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ تو (حق سننے سے) بہرے (جیسے) اور (حق کہنے سے) گونگے (جیسے) ہو رہے ہیں (اور اس کی وجہ سے) طرح طرح کی ظلمتوں میں (گرفتار) ہیں (کیونکہ ہر کفر ایک ظلمت ہے اور ان میں مختلف قسم کے کفر جمع ہیں پھر ان اقسام کفر کا بار بار تکرار الگ الگ ظلمتیں ہیں) اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں (بوجہ اعراض عن الحق کے) بے راہ کر دیں اور وہ جس کو چاہیں (اپنے فضل سے) سیدھی راہ پر لگا دیں، آپ (ان مشرکین سے) کہئے کہ (اچھا) یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہونچے تو کیا (اس عذاب اور ہول قیامت کو ہٹانے کے واسطے) خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم (شرک کے دعوے میں) سچے ہو تو (چاہئے اس وقت بھی غیر اللہ ہی کو پکارو لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا) بلکہ (اس وقت تو) خاص اسی کو پکارنے لگو پھر جس (آفت) کے (ہٹانے) کے لئے تم (اس کو) پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے (اور نہ چاہے تو نہ بھی ہٹائے) اور جن کو تم (اب اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو (اس وقت) ان سب کو بھول بھال جاؤ۔

معارف و مسائل

آیاتِ مذکورہ میں سے پہلی آیت میں جو یہ فرمایا ہے فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ، یعنی یہ کفار درحقیقت آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ آیات اللہ کی تکذیب کرتے ہیں، اس کا واقعہ تفسیر مظہری میں بروایت سُدّی یہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش کے دو سردار اخنس بن شریق اور ابوجہل کی ملاقات ہوئی، تو اخنس نے ابوجہل سے پوچھا کہ اے ابوالحکم (عرب میں ابوجہل ابوالحکم کے نام سے پکارا جاتا تھا اسلام میں اس کے کفر و عناد کے سبب ابوجہل کا لقب دیا گیا) یہ تنہائی کا موقع ہے میرے اور تمہارے کلام کو کوئی تیسرا نہیں سن رہا ہے، مجھے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق اپنا خیال صحیح صحیح بتلاؤ کہ ان کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔

ابوجہل نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ بلاشبہ محمدؐ سچے ہیں، انھوں نے عمر بھر میں کبھی جھوٹ